

# دیوانِ رباعیاتِ انیس



تحقیق، تدوین اور تشریح  
سید تقی عابدی



**PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani**

**Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081**



کلیاتِ انیس۔ ۱

# دیوانِ رُبَاعِیاتِ انیس



تحقیق، تدوین اور تشریح

ڈاکٹر سید تقی عابدی

سنگم میل پبلی کیشنز، لاہور

## فہرست

- 1 رو میں ہے رخسار 29
- 2 امتساب 31
- 3 حیات، فن اور شخصیت انہیں ڈاکٹر سید تقی عابدی 33
- 4 رہا میات انہیں کا اجمالی تذکرہ اور تجزیہ ڈاکٹر سید تقی عابدی 75
- 5 میر انیس مشہور شعر و ادب کی نظر میں ڈاکٹر سید تقی عابدی 179
- 6 رہا میات انہیں 215
- 7 کتابیات 505

## حمد یہ زبا عیات

- 1 کو ہر کو صدف میں آہر دیتا ہے 215
- 2 سب سے ازل ہے، سب سے سابق ہے وہی 215
- 3 اپنوں کا گلہ نہ غیر ذالک کا ہے 216
- 4 حیران ہے عقل و دل شیدا سب میں 216
- 5 نعل میں ہے نہ ٹھہر و سنگ میں ٹو 217
- 6 غلامی جہاں ہے رہت اکبر ٹو ہے 217
- 7 گلشن میں بھروں کہ میر سحر ادیکھوں 218
- 8 گلشن میں مہا کو جتو تیری ہے 218
- 9 صالح بھی ترا ہے، زشت بھی تیرا ہے 219
- 10 بلبل تری یاد میں فغاں کرتی ہے 219
- 11 بھلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو 220
- 12 سرگرم رہے نہ سرو آہیں ہیں بکی 220
- 13 نوکر کب تک ادھر ادھر دیکھوں میں 221
- 14 ہر برگ سے قدرت احد پیدا ہے 221
- 15 سایے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں 222
- 16 کونین کی دولت ہے عنایت تیری 222
- 17 فرقت تن و جاں میں بھی غضب ہوتی ہے 223
- 18 ماں باپ سے بھی برا ہے شفقت تیری 223
- 19 دریا تری رحمت کا اگر سرکینے 224
- 20 شاہ روئے پدم آیا ہے تجھے 224
- 21 ہیں معترف بلو شاخاں حیرے 225
- 22 دولت کی ہوس ہے، نہ طمع مال کی ہے 225
- 23 تو قیر ترے ہی آستانے سے ملی 226

- 24 بندے کو خیال دم بدم تیرا ہے 226
- 25 قانع ہو جو کچھ مست مردانہ ہے 227
- 26 لائق ترے کس نے کی عبادت تیری 227
- 27 ممکن نہیں عہد سے عبادت تیری 228
- 28 ہم نے کبھی عسایاں سے کنارانہ کیا 228
- 29 کب شاہ و گدا سے راہ دکھتا ہوں میں 229
- 30 دولت کی نہ خواہش ہے نہ زور چاہتے ہیں 229
- 31 اے خالق ذوالفضل و کرم! رحمت کر 230
- 32 آدم کو عجب خدا نے رتبہ بخشا 230
- 33 لالے سے عیاں بہار سر جوئی ہے 231

## نعتیہ رباعیات

- 34 ہے کون سی شادی جو ترے غم میں نہیں؟ 231
- 35 ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اُترا 232
- 36 دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں 232
- 37 آدم کو یہ تحفہ، یہ پد یہ نہ ملا 233
- 38 یا ختمِ رُسل، مست سے اُلفت ہیں 233
- 39 کھو دل کے مرض کو اے طیبِ امت! 234
- 40 بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا 234
- 41 کیا بھائیوں کے اُنس کا اندازہ ہے 235
- 42 احمد کا برادر گرامی تو ہے 235
- 43 اصحاب نے پوچھا جو نبیؐ کو دیکھا 236
- 44 وہ شاہ، کہ شاہوں سے لیا باجِ نبیؐ 236
- 45 جو مرتبہ احمد کے دہس کا دیکھا 237

- 46 محبوب خدا کا جانشین حیدر ہے 237  
47 ہے شانِ علی سے حق کی شوکت پیدا 238  
48 ہے چادرِ نورِ حق روئے حیدر 238  
49 عارضِ زمین و آسمان حیدر ہے 239  
50 افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک 239  
51 ہے کون و مکان میں اختیار حیدر 240

### منقبتی رباعیات

- 52 شایاں تھے انھیں کی شانِ برتر کے لیے 240  
53 حیدرِ سالامِ حق کی رحمت سے ملا 241  
54 ہے روحِ امینِ علی کے دربانوں میں 241  
55 ایک اک قدم لغزش مستانہ ہے 242  
56 احبابِ لہوِ تلک تو پہچانیں گے 242  
57 میزبانِ کرم میں جرمِ گل جاتے ہیں 243  
58 سرمہ ہے خبارِ ربکوار حیدر 243  
59 برتر ہے ملائک کا بشر سے پایا 244  
60 روشن شمعیں تھیلی طور کی ہیں 244  
61 اک آن نہیں حق سے جدا حیدر ہے 245  
62 جو صفِ تیغِ شاہ آجاتی تھی 245  
63 دنیا سے اٹھالے کے میں نام حیدر 246  
64 بے دینوں کو مرتضیٰ نے ایمان بخشا 246  
65 سرگرم ہوں میں نبی کی مداحی میں 247  
66 افضل کسی کو مرتضیٰ سے پایا 247  
67 گر شیرِ خدا ازبست کا بانی ہو جائے 248

- 248 68 کیا اُس کی مفت میں پھر کوئی بات کرے
- 249 69 نہ کام بھی کا سیاب ہو جاتا ہے
- 249 70 لاریب کہ مظہرِ اعجاب ہے علی
- 250 71 دمِ آفتِ حیدر کا جو بھرتا ہوں نہیں
- 250 72 اب وقتِ سرور و فرحت اندوزی ہے
- 251 73 ہر غنچے سے شاخِ گل ہے کیوں نذرِ بکف
- 251 74 موجود نہیں نعمتیں برائے حیدر
- 252 75 افزوں ہیں بیاں سے معجزاتِ حیدر
- 252 76 سولہ کوئی، کوئی مقتدا کہتا ہے
- 253 77 یہ جو دسٹا حاتمِ طائی میں نہیں
- 253 78 اعلیٰ رُجے میں ہر بشر سے پایا
- 254 79 قطرے ہیں یہ سب جس کے وہ دریا ہے علی
- 254 80 فیاضِ علی کو ہر بشر سے پایا
- 255 81 کیا خرنے شرفِ علی کے گھر سے پایا
- 255 82 مطلب بھی علی ہے، دعا بھی ہے علی
- 256 83 ایماں پایا علی کے در سے پایا
- 256 84 شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدر
- 257 85 دیدارِ دمِ نزع دکھاتے ہیں علی
- 257 86 اند کو شیرِ حق لحد میں پہنچے
- 258 87 گردِ وحشیِ علی میں مرجا میں کے
- 258 88 اخیل کوئی مرتضیٰ سے ہمت میں نہیں
- 259 89 خلاقِ انام کبریا کو جانا
- 259 90 آہوے حرم ہے چشمِ مستِ حیدر
- 260 91 جامِ عرفاں ہے چشمِ مستِ حیدر
- 260 92 عالم یہ کتابِ علم و حکمت کے ہیں



261	ہزار علی کو مال و زر سے پایا	93
261	کجکول کو تاج خسروانی کر دیں	94
262	چاہیں جو علی قنبرے کو دریا کر دیں	95
262	کچے میں ہوا جو بندوبست حیدر	96
263	زجے سے علی کے عرش بھی پست ملا	97
263	دینداروں نے امن کفر و شر سے پایا	98
264	کچے کو یو اللہ نے آباد کیا	99
264	قرآن میں ہے چاہا ثنائے حیدر	100
265	عرفاں، تصدیقِ حجت حیدر ہے	101
265	مگر قہر دیں کی سہرا پائی ہو جائے	102

## اخلاقی رباعیات

266	بہشتی کو آواز کر بسایا ہے اسے	103
266	زجہ جیسے دنیا میں خدا دیتا ہے	104
267	انجام پانچ اپنے آہ و زاری کر تو	105
267	ہو خاک دلا اُمید آزادی میں	106
268	ہموار ہے گر تو کچھ تھے ہاک نہیں	107
268	دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا	108
269	شکل چمن صدق و صفا بگزی ہے	109
269	کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے	110
270	کیا قدر زمیں کی آسمان کے آگے؟	111
270	جو صاحبِ فہم ہے وہی انسان ہے	112
271	جینے سے طبیعت اب ہنی جاتی ہے	113
271	دل کو مرے شغلِ غم تساری کا ہے	114

- 115 برہاد کیا ہے طبعِ آوارہ نے 272
- 116 رہتے ہیں سدا ہوش بہاؤ کا 272
- 117 وہ مہر مراد وہ نردباری تیری 273
- 118 ہر جگہ یہ دوز کر کدھر جاتا ہے 273
- 119 ہاں، دولتِ فقرِ مصطفیٰ دہریوں کے 274
- 120 خود محفوظ کے پیشِ اہلِ دل جاتا ہوں 274
- 121 دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں 275
- 122 ہے تیزیِ عقل و ہوش، بے ہوشی میں 275
- 123 ان آنکھوں سے خوب لطفِ عالم دیکھا 276
- 124 مال و زر و انسر و حشم ملتا ہے 276
- 125 مانا ہم نے عیب سے پاک ہے تو 277
- 126 ہر دم ہے خیالِ عذرِ غواہیِ دل میں 277
- 127 کب غنچے کی گلِ بھڑی سبائے کھولی 278
- 128 ثنوت یہ عہدِ دولتِ ناپاک پہ ہے 278
- 129 نکچے پہ نہ سر ہے، نہ بدنِ بستر پہ 279
- 130 اے آہ، ترا اثر نہ دیکھا ہم نے 279
- 131 خلق و تعظیمِ دولتِ دینی ہے 280
- 132 روتے ہیں لہو ہر ایک ہدم کے لیے 280
- 133 عاجز نہ کسی بضر کو املا کجھے 281
- 134 اندیشے میں دن قہام ہو جاتا ہے 281
- 135 اندیشہِ باطلِ بحر و شام کیا 282
- 136 کس بات میں کید کس میں تر دیر نہیں 282
- 137 اندوہِ دالم سے کب یہ جاں بچتی ہے 283
- 138 غموں کو بھی نہ ماریں گے اگر خود سر ہے 283

- 139 کس زہیت پہ میل مال واسباب کریں 284
- 140 دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے 284
- 141 دولت سے نہ کچھ لطف و محروم پاتے ہیں 285
- 142 انسان ڈی عقل و ہوش ہو جاتا ہے 285
- 143 دولت نہ عطا کر، نہ جہاں میں زروے 286
- 144 جو سو فرخمن سے خوش نہیں ہوتا ہے 286
- 145 مہمان کی عزت میں بڑی عزت ہے 287
- 146 کہہ دے کوئی عیب جو، سے سرگوشی میں 287
- 147 مگر ہاتھ میں زرنہیں تو کچھ پاک نہیں 288
- 148 تا چرخ افغان صبح گاہی نہ لگی 288
- 149 برنگس ہے گر خاک میں مل مل جائے 289
- 150 ہے ملکب جسم میں شامی دل کی 289
- 151 تعریف پر اپنی کیوں تجھے غرہ ہے 290
- 152 یہ آؤج، یہ مرتبہ نما کو نہ ملے 290
- 153 یہ حرص جو لے کے جا بجا پھرتی ہے 291
- 154 جب دیکھیں گے احوال قیامت آنکھیں 291
- 155 حاصل ہو جو دولت تو تو اگر ہو جائیں 292
- 156 کچھ فرق کلام کہہ نہ نو میں نہیں 292
- 157 انسان ہی کچھ اس دور میں پامال نہیں 293
- 158 الفت ہے، نہ پاسی ربط و رینہ ہے 293
- 159 ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں 294
- 160 مٹی سے بنا ہے، دل کو تو سنگ نہ کر 294
- 161 عصیاں سے ہوں شرمسار تو بہ یارب! 295
- 162 احباب سے امید ہے بے جا مجھ کو 295

- 163 کس منہ سے کہوں میں کہ خوش انجام ہے تو 296
- 164 افسوس یہاں سے نہ سبک بار چلے 296
- 165 سر پہنچ نہ شمشیر کشیدہ کی طرح 297
- 166 برباد گراں جنس کو بے قول نہ کر 297
- 167 افسوس یہ عسایاں یہ چاہی دل کی 298
- 168 دنیا میں کسی کا نہ سہارا دیکھا 298
- 169 پر ساق کوئی کب جو ہر ذاتی کا ہے 299
- 170 چل جلد، اگر قصد سفر رکھتا ہے 299
- 171 کیا سوچ کے اس دار فاق میں آئے 300
- 172 دنیا دریا ہے اور ہوں طوقاں ہے 300
- 173 کر بجز اگر مائل و فرزانہ ہے 301
- 174 ہر چہرہ میں پست، فلک عالی ہے 301
- 175 غفلت میں نہ کھو عمر کہ بچے تائے گا 302
- 176 ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے 302
- 177 ہر دم مجھے سامنا مصوبت کا ہے 303
- 178 کیوں آج دلا خیال فردا نہ کیا؟ 303
- 179 ضائع نہ کر آغوش کے پالے دل کو 304
- 180 غفلت میں نہ کھو عمر جہاں قافی ہے 304
- 181 جو شے ہے فنا سے بھا سمجھا ہے 305
- 182 کانوں میں سدا حرف پریشانی ہے 305
- 183 ہے کون جو عسایاں میں گرفتار نہیں؟ 306
- 184 موعظہوں تو نہ صورت بھالی نکلے 306
- 185 جس شخص کو معنی کی طلبکاری ہے 307
- 186 ایذا سے نہ کوئی اس میں املا چھوٹا 307

- 187 آنکھیں کھولیں مگر یہ پردہ نہ کھلا 308
- 188 دنیا سے رہائی ہو یہ وہ جاہل نہیں 308
- 189 جو غم کوئی جنس یاں نہ سستی دیکھی 309
- 190 دنیا کو نہ جانو کہ دل آرام ہے یہ 309
- 191 دنیا بھی عجب سرائے قافی دیکھی 310
- 192 غافل وہ ہے جو محابہ اعتدیل نہیں 310
- 193 راحت کا مزا عدو سے جانی لگا 311
- 194 ہشیار! کہ وقت ساز و برگ آیا ہے 311
- 195 دل سے طاقت، بدن سے کس جاتا ہے 312
- 196 جیڑی آئی، عذار بے نور ہوئے 312
- 197 جیڑی سے خاک مہربانی نہ ہوئی 313
- 198 کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں جاتا ہے 313
- 199 آزادی میں آفتِ اسیری آئی 314
- 200 پوشیدہ ہو خاک میں کہ پردہ ہے یہی 314
- 201 کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا 315
- 202 جیڑی میں یہ تن کا حال ہو جاتا ہے 315
- 203 راتیں نہ وہ اب ہوں گی نہ خواب آئے گا 316
- 204 خاطر کو کبھی نہ مطمئن دکھلایا 316
- 205 جیڑی سے بدن زار ہوا زاری کر 317
- 206 جب اٹھ گیا سایہ جوانی سر سے 317
- 207 جب تک ہے جواں، میر ہے، نگارہ ہے 318
- 208 جس دن کہ فراق روحِ وطن میں ہوگا 318
- 209 افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے 319
- 210 حلقی دیکھی، شباب دیکھا ہم نے 319

- 211 سینے میں یہ دم شمع سرکا ہی ہے 320
- 212 ہے کون جو روئے مرگ سنے کا نہیں؟ 320
- 213 وہ سوئے حوادث کا چھیزا نہ رہا 321
- 214 کچھ مقل کی میزان میں تو لاندہ کیا 321
- 215 دو دن کی حیات پر صہٹ غزا ہے 322
- 216 آرام سے کس دن تیرا فلاک رہے 322
- 217 طے منزل و حشت دشمن ہوتی ہے 323
- 218 دل نہت سے اٹھا کے حق پر حتیٰ کیجیے 323
- 219 دو تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ 324
- 220 اب گرم خمر سوت کے آنے کی ہے 324
- 221 آفاق میں مرنے کے لیے بیٹا ہے 325
- 222 محمودؑ خاطر ان دلوں اتر ہے 325
- 223 جس دم نزدیک وقت رحلت ہوگا 326
- 224 یاں آئے ملال اور رنج پہنے کے لیے 326
- 225 کچھ چند و فصیح نے بھی تائید کی 327
- 226 ہر آنِ تحیر ہے زمانے کے لیے 327
- 227 گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے 328
- 228 مگر چھوڑ کے ہر جہتو نکلیں گے 328
- 229 دل سے دنیا کے دلو لے جاتے ہیں 329
- 230 کچھ ملک عدم میں رنج کا نام نہ تھا 329
- 231 دل میں غم یا رمانِ وطن لے کے چلے 330
- 232 گو صورتِ دریا ہر تن جوش میں ہوں 330
- 233 شاہوں کا وہ تختِ دلم و تاج نہیں 331
- 234 اک شعلہؑ نورِ طور سے آیا ہے 331

- 235 ادھار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے 332
- 236 آغوشِ لہر میں جب کہ سونا ہوگا 332
- 237 خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے 333
- 238 اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا 333
- 239 یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے 334
- 240 اُس ملک سے، دنیا کی ہوس میں آئے 334
- 241 راحت میں بسر ہوئی کراہیِ اگزری 335
- 242 نے آہِ دامن سے نہ فغاں نکلی 335
- 243 کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے 336
- 244 ہر چند کہ ہے بلند پایہ سرکا 336
- 245 مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے 337
- 246 دنیا سے کوئی دم میں سطر تیرا ہے 337
- 247 محبوب کو ہم کنار بھی دیکھ لیا 338
- 248 اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے 338
- 249 دردِ اہمِ ممات کیوں کر گزرے 339
- 250 جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا 339
- 251 اب خواب سے چونک وقتِ بیداری ہے 340
- 252 خادوں سے غلش، نہ پھول سے کاوش ہے 340
- 253 فردِ دینِ چراگتِ قبر کا کونا ہوگا 341
- 254 بالوں پہ غبارِ شیبِ ظاہر ہے اب 341
- 255 اب زیرِ قدمِ لہر کا باب آپہنچا 342
- 256 جب خاک میں ہستی کا چمن ملتا ہے 342
- 257 ہر آوج کو ایک روز بستی ہوگی 343

## ذاتی رباعیات

- 258 کیا جانے صبر و تاب کہتے ہیں کسے 343
- 259 بخشش میں غم شاد کو کافی پایا 344
- 260 بالیدہ ہوں وہ آؤج مجھے آج ملا 344
- 261 کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے؟ 345
- 262 کس دن فرسِ خادم تک وہ وہ میں نہیں 345
- 263 آئینہ ہے سب حال و حیراں ہوں میں 346
- 264 ہشیار ہے، سب سے باخبر ہے جب تک 346
- 265 زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے 347
- 266 ہر بند پہ ڈاکر کو صلا دیتے ہیں 347
- 267 کس منہ سے کہوں لائقِ تحسین ہوں میں 348
- 268 عجب شہرِ ب و بظاہم ہیں 348
- 269 باندھے ہوئے گوہرِ سخن لائے ہیں 349
- 270 مملو ذرا معنی سے مرا سینہ ہے 349
- 271 وہ نظم پر محوں کہ بزمِ رنگیں ہو جائے 350
- 272 ہر ایک سخن میں رنگ آمیزی ہے 350
- 273 وہ نظم پر محوں کہ بزمِ خوشبو ہو جائے 351
- 274 ہیں طوطا علیحدہ ہمارے سب سے 351
- 275 ہاں بعد فنا سخن نشاں ہے میرا 352
- 276 ہر شب تکلیفِ جاں کنی ہوتی ہے 352
- 277 فرصت نہ ذرا چشم کو اک پلِ بھروں 353
- 278 مضمون گوہر ہیں اور صدفِ سینہ ہے 353
- 279 شگبِ سخنِ نظم کہاں بند کروں 354



- 280 گل چیں کو غم و رگل نشانی کا ہے 354
- 281 لفظوں میں تک، سخن میں شیرینی ہے 355
- 282 بے جا نہیں مدح میں غزا میرا 355
- 283 تاہاں فلک سخن کے تارے ہم ہیں 356
- 284 گھبائے مضا میں کو کہاں بند کروں 356
- 285 رتبہ ہونہ کیوں نظم میں برتر میرا 357
- 286 کانپا نہ جگر، نہ دل، نہ چہرا اُترا 357
- 287 نے مدح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے 358
- 288 کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں 358
- 289 پروا تنہی زہاں کو بچے کی نہیں 359
- 290 دل روز بروز ناتواں رہتا ہے 359
- 291 کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ کیا کیا اُترا 360
- 292 مضمون انہیں کا نہ ہے ہا اُترا 360
- 293 گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو 361
- 294 ہو جاتی ہے سہل پیش وانا مشکل 361
- 295 عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے 362
- 296 چشتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں 362
- 297 بخشش کے لیے مرثیہ خوانی ہے مری 363
- 298 جب خزع رواں سے جسم بے قابو ہو 363
- 299 وردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا 364
- 300 دیتا ہے وہی شفا، کہ جو شافی ہے 364
- 301 انداز سخن تم جو ہمارے سمجھو 365
- 302 بیمار کی ہالیں پہ صیبا آئے 365
- 303 ڈاکر کی جو آواز حسیں ہوتی ہے 366

- 304 دکھ میں ہر شب کرا جتا ہوں، یارب!
- 305 تن پر ہے عرق، مجھ تب دتاب میں ہوں
- 306 ہر لکھ ٹھٹھی جاتی ہے طاق میری
- 307 ہے سخت طولِ طبع ناساز مری
- 308 کھینچے مجھے موت زندگانی کی طرف
- 309 کس جسم پہ تل کروں کرش زور ہوں میں
- 310 کم زور ایسا کسی کو بھری نہ کرے
- 311 آلودہ مٹ اس غم چاکا میں ہے
- 312 عقیقی کے ہراک کام سے ناکام ہے تو
- 313 عازمِ طرفِ عالم بالا ہوں میں
- 314 یہ عمر یوں ہی تمام ہو جائے گی
- 315 ہر چہ کہ شستہ و حزیں ہے آواز
- 316 میزبانِ سخنِ راج میں ٹھکا ہوں میں
- 317 واحد ہے جو، عبیدیک نام اُس کا ہوں
- 318 ہم سے کوئی اہلِ کبر خوا تو کرے
- 319 کب دُزد سے دولت ہنر بچتی ہے
- 320 اعلیٰ سے نہ ہوگا کسی ادنیٰ بھاری
- 321 کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
- 322 رونقِ دہ بزمِ خوش بیاہی ہم ہیں
- 323 کس دن مضمونِ نو کا نقشہ اُترے؟
- 324 نا فہم سے کب داؤ سخن لیتا ہوں
- 325 ناقدریٰ احباب سے حیراں ہوں میں
- 326 راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی
- 327 ٹھہرہ ہر سو جو خوش کلائی کا ہے

- 328 دل کو آرام بے قراری سے ملا  
329 بہتی میں ہے لعلِ اربندی مجھ کو  
330 گزرے ہر دم مرا ارادت میں تری  
331 ہے افسرِ دیں، تاجِ سکندر حیدر  
332 اللہ اللہ عز و جاوذاکر  
333 جو بند کہا وہ نذر حیدر کے لیے  
334 عزت رہے یاد آشنا کے آگے  
335 کچھ جس سے نہیں حصول، وہ کشت ہوں میں  
336 گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے  
337 افسوس کہ ہمیں مصطفیٰ کو نہ ملے  
338 کیا ہو سکے، بحرِ طبع کو جوش پہ ہے  
339 انسان ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے  
340 سنے فریادِ حسینؑ ابنِ علیؑ  
341 ساقی شرابِ حوضِ کوثر، حیدر

## سماجی رباعیات

- 342 افسوس زمانے کا مجب طور ہوا  
343 کیونکر دل غم زدہ نہ فریاد کرے؟  
344 بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب  
345 اے بادِ خیز کون دمکال! اور کئی  
346 دل نے غم بے حساب کیا کیا دیکھا  
347 پوچھو نہ خبر کہ بے خبر ہیں اب تو  
348 اُمید کسے تھی بزم کے بھرنے کی  
349 موجود ہے جو کچھ تھے منظور ہے یاں

- 350 گلوں جہاں سے بارغ جنت میں گئے  
351 صد حیف کہ یار جانی نہ رہا  
352 اللہ و رسول حق کی امداد رہے  
353 اہتمام بخیر ابتدا بگری ہے

## اعتمادی رباعیات

- 354 کمر میں ڈھونڈھونڈا بھن میں ڈھونڈھو  
355 اے بخت رسا اٹوئے نجف راعی کر  
356 ایوان فلک جناب دیکھا ہم نے  
357 کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی؟  
358 سوڑ ٹیم دوری نے جلا رکھا ہے  
359 کس شہر میں درہمقا ملتا ہے  
360 دل میں ہو ترا درد تو درماں کیا ہے  
361 کیا فیض حق کے قدم پاک سے ہے  
362 خورشید شرف برج شرف میں ہوگا  
363 اب ہند کی خلعت سے لگا ہوں میں  
364 مصیباں بالکل ٹوٹ ہو جاتا ہے  
365 جبریل امیں کو فخر درہانی ہے  
366 توفیق کاشے دین پاؤں میں  
367 کل دل کو نہیں ہے آج کل، جانیں گے  
368 خلعت کدہ ہند میں کیا ملتا ہے  
369 جو روضہ حیدر پہنیں ہوتا ہے  
370 بازیت میں یا بعد خاں پنہیں گے  
371 جو روضہ شاد کر بلا تک پہنچے

- 372 اکسیر کو دیکھا نہ ملا کو دیکھا 400
- 373 یارب ایہ اثر مری دعا میں مل جائے 401
- 374 مجبور ہوں جنت کے چمن والوں سے 401
- 375 یارب امری مینت کو ز میں پاک طے 402
- 376 جس شخص کو شوق کر بلا ہوتا ہے 402
- 377 مرقہ میں انہیں نہ کفن میں ہوگا 403
- 378 حاصل جو ہو دیں کی حضوری ہو جائے 403
- 379 یارب کہیں جلد وہ زمانا ہووے 404
- 380 جب دور سے ایوانِ عطا کو دیکھا 404
- 381 گل چیں تو بھلا چمن سنوارے ایسے 405
- 382 ہے فصلِ مزا، جدا جدا مجلس ہے 405
- 383 انس و ملک و حور کی مجلس یہ ہے 406
- 384 تیر غم نہ سینے میں پیوستہ ہے 406
- 385 یہ بزمِ مزا ہے پھر نہ ہر اسے 407
- 386 انبیا اسد اللہ کا دربار ہے یہ 407
- 387 اس بزم کی تعریف کا نکل ہر سو ہے 408
- 388 اُلفت ہو جسے اسے ولی کہتے ہیں 408
- 389 رونے کے لیے روح رسول آتی ہے 409
- 390 اک نور کا گھروں کا عزا خانہ ہے 409
- 391 اس بزم کو جنت سے جو خوش پاتے ہیں 410
- 392 حاضر ہوں نہ کیوں، حضور کی مجلس ہے 410
- 393 مردم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر 411
- 394 افلاک شرافت کے ستارے آئے 411
- 395 دنیا میں ہیں یہ حق کے پیارے ایسے 412

- 396 احساں نہیں، مگر بزمِ مزا میں آئے 412
- 397 ہر حال دل و جگر کو برا جائے 413
- 398 پُر نور ہے سب بزمِ دو تارے یہ ہیں 413
- 399 دھوپ آ کے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے 414
- 400 احباب کا مجمع ہے، بہارِ غم ہے 414
- 401 غم ہے ہمیں، لیکن انہیں خوش حالی ہے 415
- 402 فردوس سے روحِ مصطفیٰ آتی ہے 415
- 403 محفلِ محبوب حق کے پیاروں کی ہے 416
- 404 تکلیف کسی کی شہ کو منظور نہیں 416
- 405 لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ 417
- 406 مجلس میں جو بارِ باب ہو جاتا ہے 417
- 407 کیا بزم ہے، کیا آہِ دہکا ہر سو ہے 418
- 408 مشرے سے دلوں پہ رنج و غم چھائے ہیں 418
- 409 عابد سب ہیں، خدا رسیدہ سب ہیں 419
- 410 رونے میں یہ موسم جو ہر ہوتا ہے 419
- 411 رعبِ شرفی جاہ سے تھڑاتے ہیں 420
- 412 کس طرح کرے نہ ایک عالمِ افسوس 420
- 413 کس کام آئے گی حیر ہوشی خیری 421
- 414 ہر وقت غمِ شادِ دامنِ تازہ ہے 421
- 415 کیا دخلِ غن کوئی فلک پر پہنچے 422
- 416 صہیز کے غم میں دل کو بے تابلی ہے 422
- 417 صہیز کا شریک ہے ماتمِ باقی 423
- 418 طفلی بہشتِ بادشاہ مانی کت جائے 423
- 419 نیساں کو خجل دیدہ تر سے پایا 424

- 420 تاگرمیں کفن، نہ برباد رکھتے ہیں
- 421 رونے سے فراغ اب تو کسی روز نہیں
- 422 ہم لوگ اگر قدر غم شاقہ کریں
- 423 رومال ہے اشکوں سے بھگونے کے لیے
- 424 عمر اپنی غم و غم میں بسر کر لے تو
- 425 داغ غم شہ دل میں اگر پیدا ہو
- 426 یاں دھوپ بھی آکے زرد ہو جاتی ہے
- 427 رونے کا رسول حق صلا دیتے ہیں
- 428 کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے
- 429 پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لیے
- 430 تدبیر کرد اشکوں سے منہ دھونے کی
- 431 ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہو جائے
- 432 سینوں میں جگر پہ تیر غم چلتے ہیں
- 433 اے شاقہ کے غم میں جان نکھونے والو
- 434 گو حشر میں مہر کی قہارت ہوگی
- 435 ہے اُس کی دوا جو مرضِ آدم ہے
- 436 ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار
- 437 دس دن جو یہ رونے میں بسر ہو جائیں
- 438 فقیر نہ کر خراب ہونے کے لیے
- 439 ہر دم غم سہل شہ لولاک کیا
- 440 جس جاؤ کر حسین ہو جاتا ہے
- 441 جز مدح سخن منہ سے کوئی کم نکلے
- 442 جب دابر وحشر رونے والے ہوں گے
- 443 کیوں آؤ نہ شیعوں کے جگر سے نکلے؟

- 444 آنکھ اب بہاری سے لڑی رہتی ہے  
436
- 445 ہلیل یہاں آ کے خوش بیانی سکھے  
437
- 446 آئینہ خاطر کی جلا ہے دونا  
437
- 447 آیا ہے محرم آہ و زاری کرلو  
438
- 448 ہر شب غمِ حزن میں جان کھویا کیجئے  
438
- 449 عشرے کے جودن یاد میں آتے ہیں  
439
- 450 مظلوم پہ بزمِ موسیٰ روتی ہے  
439
- 451 اس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے  
440
- 452 آنسو بزمِ موسیٰ کے لیے غارہ ہے  
440
- 453 زر کے لیے حق نے کیسا پیدا کی  
441
- 454 اشکوں میں نہاؤ تو جگر خشک ہے ہوں  
441
- 455 داغِ غمِ حزن سینے میں گل بوٹے ہیں  
442
- 456 ہر اشکِ عزادار اور یکساں ہے  
442
- 457 مجلس میں عجب بہارِ چشمِ تر ہے  
443
- 458 جو شاؤ کے ظم کو دل میں جادوئے گا  
443
- 459 اختر سے بھی آمد میں بہتر ہیں یہ اشک  
444
- 460 مصروفِ جود نے کی طرف آنکھیں ہیں  
444
- 461 جو چشمِ غمِ حزن میں سدا روتی ہے  
445
- 462 کیا دستِ مژدہ کو ہاتھ آئی تسخیر  
445
- 463 دل ماتمِ شیریں میں صد پارہ ہے  
446
- 464 رونے کی جو غم میں شہ کے خوہدے کی  
446
- 465 رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں  
447
- 466 اس آگ سے دل سینے میں جل جاتا ہے  
447
- 467 سو غمِ سرور سے جگر جلا ہے  
448



- 448 روشن جو ہر ایک داغ ہو جاتا ہے  
 449 ہاں چوٹی غم سرورِ عالی ہو جائے  
 449 صبر کا غم یہ جس کے دل پر ہوگا  
 450 جو قطرۂ اشک ہے دل آرام ہے یہ  
 450 مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے  
 451 بے کار نہیں ہے آہ و زاری الکی  
 451 فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی  
 452 جب دل غم خیز سے داغ ہو جاتا ہے  
 452 سوز غم خیز سے داغ داغ آنکھیں ہیں  
 453 ہیں سوگ میں شبنم کے ہر دم آنکھیں  
 453 کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے  
 454 سے خاند کوڑ کا شرابی ہوں میں  
 454 جس پر نظر اک لطف کی صبر کریں  
 455 گر سہل نبی کی سہرا بی ہو جائے

## رثائی زباہیات

- 455 جب لوح و قلم ہوئے قرآنِ شہدین  
 456 یکبارہ درود جو نبی پر بھیجے  
 456 زہرا سے کوئی غم صبر پر بھیجے  
 457 کیا پانچ ہوئے خدا کے مقبر پیدا  
 457 کرسی کس کی ہے، عرشِ اعلیٰ کس کا؟  
 458 دل غم سے تجھوں کے بھرے رہتے ہیں  
 458 کہے میں جسے حق نے اتارا ہوگا  
 459 گردوں پہ ملک ہیں نوحِ خوانِ حیدر

- 459 مسجد میں چراغ دین خاموش ہوا
- 460 ہے آج وہ دن کہ بھیا روتے ہیں
- 460 دایم رسول کی شہادت ہے آج
- 461 گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے
- 461 خیر لب نہروٹ کو کرنے نہ دیا
- 462 غلوں میں شہ مظلوم کا سینہ ڈوبا
- 462 دس دن یہ وہ ہیں کہ لوحِ کر ہے زہرا
- 463 دشمن جو یزید ستم ایجاد ہوا
- 463 مولّا مرے، عقل کے قریں آپہنچے
- 464 اے الٰہی عزاء! عزاء کے دن آپہنچے
- 464 اے یارو! محرم کا مہینہ آیا
- 465 کیا جوش و خروش سے محرم آیا
- 465 گھر چھوڑ کے طعنوں کے شر سے نکلے
- 466 آتا ہے جہ لعل میں محرم تازہ
- 466 ہزاروں سے جسمِ وٹہ دیں چور ہوا
- 467 جب ذبحِ حسینِ الاکرام ہوا
- 467 زہرا جو بصد آہ و فغاں جھکتی ہے
- 467 وٹہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
- 468 کیا پیاس میں تھے تجھ مہابت ٹھہر
- 469 جب کٹ گیا سجدے میں سر پاکِ حسین
- 469 اے سوسنا! فاطمہ کا پیارا شیر
- 470 جب لبی لبوں سے وداع ہوتے تھے حسین
- 470 بست و تکم ما محرم ہے آج
- 471 ہے گور و کفن باپ کا لا شادیکسا

- 514 میدان میں جو حضرت پرستم ہوتے تھے
- 515 کیا کیا نہ قسم اہل جفا کرتے ہیں
- 516 فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں
- 517 کہتی تھی بتوں اے مرے پیارے شہر
- 518 کہتے تھے نصیحتوں میں زر پائیں گے
- 519 وہ کون سا صدمہ تھا جو شہ پر نہ ہوا
- 520 حلیہ کہتے تھے، آہ! کیا چارہ ہے
- 521 کنار کا لشکر لب دریا آترا
- 522 کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے
- 523 وہ کہتے تھے خالق کا ثنا سا ہوں میں
- 524 یکتا گہر قلمِ سرمد ہے حسین
- 525 وہ کہتے تھے عاقبت الہی ہوں میں
- 526 نہ بٹ نے کہا بھائی سے میں چھوٹ گئی
- 527 نہ بٹ نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے
- 528 کہتی تھی بتوں آہ! یارب! کیا ہے؟
- 529 حیرت میں ہوں کیوں جہاں میں آیا پانی
- 530 جنگل کی پیش کنار دریا گزری
- 531 مظلوم نہ شامِ بحرِ برسا ہوگا
- 532 اک کہنہ روا آلِ عبا کون ملے
- 533 کیونکر نہ سحابِ جوشِ غم سے برے
- 534 امدانے پیا اور بہایا پانی
- 535 تھر تھر بھی حرارت سے پھسل جاتے تھے
- 536 جب خاموش شامِ خوش اقبال کیا
- 537 صد تے ترے اے غافلہ کے ہاے حسین

- 483 538 مریاں سرِ خاتونِ زمن ہے اب تک
- 484 539 مائل نہیں طبعِ پاک اس دنیا پر
- 484 540 جب شام کے زرداں میں حرم بند ہوئے
- 485 541 جب دفن ہوا شیرِ خدا کا جانی
- 485 542 مارے گئے جو وہ سب لعینِ دفن ہوئے
- 486 543 برہم ہے جہاں جب عظام ہے آج
- 486 544 مرقد بھی شہیدوں کے بتائے نہ گئے
- 487 545 رشتی میں نکاح کی جانی کا ہے
- 487 546 فتنہ کہتے تھے عہاقِ سامہِ زورِ خدا
- 488 547 خوں بھائی کا فتنہ کے رو برو بہتا تھا
- 488 548 عہاقِ سامہِ شکن نہ ہو گا کوئی
- 489 549 اعدا رفقائے فتنہ سے سر بر نہ ہوئے
- 489 550 عہاق کو لطفِ زندگانی نہ ملا
- 490 551 ظاہر وہی الفت کے اثر ہیں اب تک
- 490 552 روتے ہیں نہ فریاد و ہکا کرتے ہیں
- 491 553 اکبر نے جو گھر موت کا آباؤ کیا
- 491 554 اکبر کہتے تھے بابا کیوں روتے ہو؟
- 492 555 منہ چاہیے وصفِ زرخِ اکبر کے لیے
- 492 556 دشمن کو بھی دے خدا نہ اولاد کا داغ
- 493 557 شمعوں کی طرح دلوں کو چلتے دیکھا
- 493 558 قاسم کو عدو نے خوں میں جب لال کیا
- 494 559 جھک جھک کے تو منہ انِ حق نے دیکھا
- 494 560 کہتی تھی سکینہ گھر کا جلتا دیکھا
- 495 561 چلا تے تھے مسلم کے پیرِ قتل نہ کر

- 495 562 میں کہتی تھی راحت نہ تھے آہ ملی
- 496 563 مر جاے جو فرزند تو کیا چارہ ہے
- 496 564 ہاں کہتی تھی، ہائے اکبر نہ رہے
- 497 565 جو شے تھی تہہ چرخ بریں ملتی تھی
- 497 566 کیا رنج جنائے اشتیاق سے کھینچا
- 498 567 عابد کی قیام عمر زاری نہ مگی
- 498 568 عابد کو سودا باپ کاظم رہتا تھا
- 499 569 تھے ذہبت سے اپنی ہاتھ دھوئے سجاد
- 499 570 عابد تھے مدام صبح ہوتے روتے
- 500 571 سجاد حزیں شغل بکا رکھتے ہیں
- 500 572 بن روئے نہ عابد سے رہا جاتا تھا
- 501 573 عابد کو کبھی خوش نہیں ہوتے دیکھا
- 501 574 سجاد کے چہرے سے تقریر نہ مگی
- 502 575 خرنے مقدار کا مقدر پایا
- 502 576 جب خرنے کا گزشتہ اُسم نے بخشا
- 503 577 شہزادہ سا خرنے جب کہ رہبر پایا
- 503 578 خرنے کہتا تھا جب قبر میں سوتا ہوگا
- 504 579 خرنے کہتا تھا فدائے ذی جاہ ہوا
- 505 580 کتابیات

## رو میں ہے رخسِ عمر

نام :	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام :	تقی عابدی
حلقہ :	تقی
والد کا نام :	سید سبط نبی عابدی (مرحوم)
والدہ کا نام :	سجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش :	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش :	دہلی (اٹلیا)
تعلیم :	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، اٹلیا)
	ایم ایس (برطانیہ)
	ایف سی اے پی (امریکہ)
	ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ :	طبابت
ذوق :	شاعری، ادبی تحقیق و تنقید
شوق :	مطالعہ اور تصنیف
قیام :	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک، کینیڈا
شریک حیات :	کیمی
اولاد :	دو بیٹیاں (معصومہ اور رویا)
	دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

تصانیف :

(40) شہید (1982) جوشِ سوؤت، گلشنِ رویا، اقبال کے

عرفانی زوئے، انشاء اللہ خاں انشاء، رموزِ شاعری، اظہار

حق، مجتہد نظم مرزا دیر، طالعِ مہر، سلکِ سلام دیر، تجزیہ یادگار

انیس، ادبِ المصائب، ذکرِ دُرباران، عروضِ سخن، مصنف

فارسی دیر، مثنویات دیر، کائناتِ نجم، روپ کنورکاری، دُربار

رسالت، فکرِ مطمئن، خوشہِ انجم، دُردریائے نجف، تاثیرِ ماتم، تجلی

مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تغزل، حوالِ نجم، تعلقِ لکھنوی، ادبی

معجزہ، غالبِ دیوانِ نعت و منقبت، چوں مرگ آید، رباعیات

دیر، سہدِ سخن، دیوانِ غالبِ فارسی، فیضِ جنی، مطالعہ دیر کی

روایت، دیوانِ سلام و کلام انیس

زیرِ تالیف :

تجزیہ شکوہ جواب شکوہ، قاتی لا قاتی، تجزیہ رباعیات، فراق

گورکھپوری، دو شاہکار نظمیں، اقبال کے چار مصرعے،

رباعیات بیدل، باتیاتِ فیض۔

# انتساب

انیات کے نیرتاباں  
 پروفیسر سید نیر مسعود رضوی  
 کے نام

شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی  
 سکھایا اُس نے مجھ کو مست بے جام و سہو رہنا  
 (اقبال)



## حیات، فن اور شخصیت میر انیس

تعارف اور خاندان:

اردو شعر و ادب کے بعض تذکروں میں خدائے سخن کا عنوان دو عظیم شاعروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ میر تقی میر اور میر انیس۔ میر تقی میر نے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے غزل کو منتخب کیا اور میر انیس نے مرثیہ کا انتخاب کیا۔ جرمن کے مشہور شاعر گوٹے نے کہا تھا: ”ادب میں کوئی صنف اس وقت تک عظیم نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کا موضوع عظیم نہ ہو۔“ میر انیس نے جس صنف شاعری مرثیہ کا انتخاب کیا اس کا موضوع عظیم ترین موضوع یعنی شہادت امام حسین تھا۔

فردوسی کہتا ہے:

منم ساختم رستم داستان و گرنہ یلے بود در سیستان  
یعنی شاہنامہ میں، میں نے اپنے موعئے قلم سے رستم کو رستم بنایا ورنہ وہ تو سیستان کے علاقہ کا ایک نیم وحشی شخص تھا۔ اس کے برخلاف میر انیس کو جن پر گزیدہ ہستیوں کے واقعات، جذبات نفسیات اور ان کی سیرت نگاری، کردار نگاری، رزم بزم اور

سرہا کی مرتع کٹی کرنی پڑی وہ داستان سازی نہ تھی بلکہ بڑی مشکل اور دشوار تھی۔ میر انیس نے اپنی عاجز بیانی اور مجبوری کا اظہار یوں کیا ہے:

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہلہاں      صاف و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں  
شرمندہ زمانے سے مجھے وائے و سہاں      کھر ہیں سخن فہم و سخن سچ و سخن داں

کیا مدح کفِ خاک سے ہو نور خدا کی

لکھت یہاں کرتی ہیں زباہیں فصحا کی

میر انیس کا خاندان شاعری مدت محمد و آل محمد سے سرشار تھا۔ چنانچہ فخریہ

اعزاز میں فرماتے ہیں:

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاہی میں

پانچویں پشت ہے قہر کی مداحی میں

میر انیس کے پوتے دولہا صاحب عروج فرماتے ہیں۔

سیر اک جام سے میں ہوں یہ مرا طور نہیں

سات پشتوں کا شرابی ہوں کوئی اور نہیں

میر انیس خاندانی شاعر تھے۔ خاندان میر انیس کے سوا دنیا میں کوئی دوسرا

ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جس میں پے در پے، نسل در نسل آٹھ ممتاز و معروف شاعر

پیدا ہوئے ہوں۔ اس خاندان نے تقریباً تین صدیوں میں پہلے فارسی اور پھر اردو

زبان کی ایسی خدمت کی کہ اس خاندان کی زبان مستند لب و لہجہ معتبر اور اس کا

مقام شعر و ادب کا گہوارہ بن گیا۔ اسی لئے مشہور شاعر شیخ ناسخ اپنے شاگردوں سے

کہا کرتے تھے۔ ”بھئی زبان یکمعی ہو تو میر غلیظی کے ہاں جایا کرو۔“ میر انیس

بعض اوقات مرثیہ پڑھتے ہوئے فرماتے۔ "صاحبو! یہ میرے خاندان کا لب و لہجہ ہے اہل لکھنؤ اس طرح نہیں کہتے۔" ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ع: خاکہ یہ غلطی کی ہے سرسبزباں

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے

اجداد باوقار سے میراث پائی ہے

میر انیس کے جذ اہل میرامای موسوی ہروی حضرت امام موسیٰ رضاؑ کی نسل سے تھے۔ وہ ہرات کے شرفا میں بڑی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شاہ جہاں کے عہد سلطنت میں ایران سے آئے اور اپنے علم و فضل کی بدولت سر ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔ میرامای موسوی جید عالم تھے، فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ وہ طبیعت کی موزونی سے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی مثنوی "ہارغ مراؤ" مشہور ہے لیکن ان کا تقریباً سارا کلام ضائع ہو گیا۔ میرامای کے فرزند میر عزیز اللہ اور پوتے میر ہدایت اللہ کی شاعری کے بارے میں تاریخ اور تذکرے خاموش ہیں۔ میر ہدایت اللہ کے بیٹے میر غلام حسین ضاحک فارسی اور اردو کے مشہور اور معروف شاعر گزرے ہیں۔ دہلی کے مستقل قیام سے اس خاندان کی زبان و نسلوں بعد دہلی کی فصیح اور شستہ اردو ہو گئی۔ میر ضاحک، میر تقی میر اور مرزا سدا کے ہم عصر صاحب دیوان شاعر اور مزاح نگار تھے۔ میر ضاحک اور مرزا سدا کی باہمی چٹھک کا ذکر تقریباً ہر تذکرے میں موجود ہے۔ میر ضاحک کی تاریخ پیدائش اور وفات کا صحیح پتہ نہیں چلا، مگر ڈاکٹر وحید قریشی کی جدید تحقیقات کی روشنی میں ضاحک کی پیدائش کا سال ۱۱۳۰ھ کے لگ بھگ معلوم ہوتا

ہے۔ قاضی عبدالودود نے علی گڑھ میگزین طنز و طعنت شمارہ ۱۹۵۳ء میں ضاحک کا انتقال ۱۱۹۶ اور ۱۱۹۸ھ کے درمیان بتایا ہے۔ میر ضاحک کے دیوان کے قلمی نسخہ پر ۱۱۹۹ ہجری تاریخ ثبت ہے۔ اس دیوان میں ہزلیں غزلیں، رباعیات، سلام، نوے اور مرعے شامل ہیں۔

میر ضاحک کے بیٹے اور میر انیس کے دادا میر غلام حسن دہلوی نے شعر و ادب میں باپ سے زیادہ نام پیدا کیا۔ میر حسن کی پیدائش ۱۱۵۳ ہجری میں ہوئی ان کا سال وفات مصطفیٰ کے کہے ہوئے مصرع ”شاعر شرین بیاں تاریخ یافت“ کے کٹڑے ”شاعر شرین بیاں“ سے ۱۲۰۱ ہجری نکلتا ہے۔ میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ لیکن بقول نقشب علی مولف تذکرہ ”بانی معانی“ ۱۱۷۳ھ میں والد کے ہمراہ فیض آباد آچکے تھے اور صاحب تذکرہ ان سے آشنا بھی تھے۔ علوم شاعری اور قواعد کو پہلے اپنے والد میر ضاحک اور پھر میر ضیا سے سیکھے۔ شاعری میں میر اور سودا کی پیروی کی۔ میر حسن کی مثنویات میں سحر البیان، گلزار ارم، رموز العارفین، حویلی قصر جواہر، شادی اور تہنیت عید شامل ہیں۔ اُردو میں سیکڑوں مثنویاں کہی گئیں لیکن میر حسن کی سحر البیان کا جواب نہ ہو سکا۔

میر حسن کے کلیات میں غزلیں قصیدے، سلام، مرعے اور رباعیات نظر آتی ہیں۔ ۱۱۸۸ ہجری میں میر حسن نے ”تذکرہ شعرائے ہندی“ فارسی زبان میں لکھا جس میں ۳۷۷ اُردو شعرا کے حالات اور ان کا نمونہ کلام موجود ہے اور اس میں ۱۱۹۱ ہجری تک اضافہ کرتے رہے۔ یہ تذکرہ تاریخی اور ادبی دستاویز ہے۔ میر حسن کے چاروں بیٹے یعنی میر غلوث، میر احسن غلوث، میر مستحسن خلعتی اور میر حسن شاعر

تھے۔ ان میں خلیق اور خلقی صاحب دیوان تھے۔ میر انیس کے والد میر خلیق فیض آباد میں ۱۷۷۶ء یا ۱۷۷۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور آخری عمر میں لکھنؤ چلے آئے۔ سولہ برس کی عمر سے شاعری شروع کی اور مصطفیٰ کے شاگرد رہے۔ بقول محمد حسین آزاد پیرانہ سالی کی تکالیف اٹھا کر دنیا سے انتقال کیا۔ پروفیسر ادیب نے ان کی تاریخ وفات ۱۲۶۰ ہجری مطابق ۱۸۴۳ عیسوی بتائی ہے۔ میر خلیق کی غزلیات کا ایک دیوان مکمل ہو گیا تھا لیکن شائع ہونے کی نوبت نہ آ سکی۔ خلیق کی غزل کا مطلع سن کر عمر رسیدہ خواجہ آتش نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی تھی۔

رنگ آئینہ ہے اس رنگ قر کا پہلو

صاف ادھر سے نظر آتا ہے ادھر کا پہلو

میر خلیق کی چودہ غزلیں ”مجموعہ سخن“ کے قلمی نسخہ میں بارہ غزلیں مجمع الانتخاب مطبوعہ ۱۸۷۷ء مطبع نول کشور میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تقریباً ستائیس مختلف مجموعات شعرا اور تذکرات میں ان کے بعض اشعار ملتے ہیں۔ پروفیسر اکبر حیدری کشمیری کے ترتیب اور تدوین شدہ ”مراثی خلیق“ میں خلیق کی غزلوں اور سلاموں کے نمونے اور تیس غیر مطبوعہ مرثیوں کو شامل کیا گیا ہے۔ میر خلیق کا پہلے اس زمانے کے تین نامور مرثیہ گو شعرا یعنی میر حمیر، مرزا فتح اور دلیر سے کسی طرح کم نہ تھا بلکہ مرثیہ خوانی ان سب سے بہتر تھی۔ وہ چشم و آبرو کے اشاروں، اعضاء کے مناسب حرکات سے اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے مضامین کی تصویر ایسی کھینچ دیتے کہ سننے والے ان کے اعلا بیان میں کھو جاتے۔ میر خلیق کی بیٹیاں بیاری بیگم، ہندی بیگم، آبادی بیگم، ہرزی بیگم اور تین بیٹے میر بہر علی انیس، میر مہر علی اس اور میر محمد

نواب موتس تھے۔ انہیں سب سے بڑے تھے۔ لیکن خلیق کے تینوں بیٹے صاحب دیوان شاعر اور مرثیہ گو تھے۔

میر انہیں کے بھلے بھائی میر مہر علی انس ۱۸۰۷ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۸۵ برس زندگی بسر کر کے لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ ان کا کلام ۴۴ مرثیوں، ۵۰ سلاسون اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں محمود آباد اس لکھنؤ اور راقم حروف کے پاس انس کے بہت سے قلمی اور غیر مطبوعہ مرثیے موجود ہیں۔ انس کے بیٹے وحید اور پروتے فرید کے مرثیہ لاجواب ہیں۔ میر انہیں کے سب سے چھوٹے بھائی میر محمد نواب موتس ۱۸۱۱ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۶۴ برس کی عمر میں ۱۸۷۵ء میں لکھنؤ میں انتقال کر گئے۔ آپ کی شعری خدمات میں دیوان غزلیات، مرثیوں کی چھ جلدیں، مجموعہ سلام اور رباعیات شامل ہیں۔ آپ لاؤند تھے۔

میر انہیں، کے تینوں بیٹے میر خورشید علی نقیس، میر محمد عسکری رئیس اور میر محمد سلیم شاعر تھے۔ جن میں میر نقیس نے بڑا نام کیا اور انہیں کی زندگی ہی میں اپنا انگ چراغ ہلا کر پر دانوں کو جمع کیا۔ میر خورشید علی نقیس ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں اپنے باپ کے پانچن حرار دفن ہوئے۔ ان کو ”خطیب منبر بلاغت“ کہا جاتا تھا۔ نقیس کی تصنیفات میں ایک سو سے زیادہ مرثیے، سلاسون کا مجموعہ ”ہدیہ پیش بہا“ رباعیات، نوحہ جات اور مثنائیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ ”ریاض العابدین“ بھی لکھا۔ میر افضل حسین نجم سینا پوری نے دو تاریخیں وقات کی نکالیں ”چھپا آہ خورشید اوج معانی“ (۱۳۱۸ ہجری) اور ”ہو گیا ملک شاعری تاریخ“ (۱۳۱۸ ہجری)

میر محمد عسکری ریخس کی تاریخ وفات ۲ دسمبر ۱۸۹۱ء مسجور ہے۔ آپ کی تصنیفات میں ہائیکس (۲۲) مرعے، چند سلام، غزلیں اور رباعیات شامل ہیں۔ ان کا زیادہ تر کلام غیر مطبوعہ ہے۔ لقم طبا طبائی مرثیائی انیس جلد اول مطبوعہ نظامی پریس میں کہتے ہیں کہ ریخس اپنے خاندانی فن کی طرف متوجہ نہ تھے۔ میر انیس نے مرثیہ ع: ”مکتب خوان نظم ہے فصاحت میری“ کہہ کر اس میں ریخس کا نام مطلق میں ڈال دیا تاکہ ان کو شوق پیدا ہو اور یہی ذریعہ معاش ہو جائے۔ لیکن مرثیہ میں بے اعتنا پتلی جی اور لوگوں نے یقین نہ کیا کہ یہ مرثیہ ریخس کا ہے اگرچہ اس میں ایک مصرعہ میں ریخس کی مراد کلام کی نسبت سے ع: ”مہندی ہوں مجھے تو قیر عطار یارب“ تھا تو دوسری طرف ریخس ہی کی پشت کی نسبت یہ شعر بھی شامل تھا۔

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

پانچویں پشت ہے مہر کی مداحی میں

یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ راقم کے پاس دو قلمی مرعے ہیں جو میر ریخس کی زعم کی اور ان کی وفات کے دو سال بعد لکھے گئے جن پر تصنیف انیس اور مطلق میں بھی تخلص انیس ہی درج ہے۔

دیے بھی اگر میر ہدایت کو شاعر حلیم کر لیا جائے تو خود میر انیس کی پانچویں پشت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو دولہا صاحب مردج نے جو انیس کے پوتے تھے خود کو ع: سات پشتوں کا شرابی ہوں کوئی اور نہیں“ کہا تھا۔ میر محمد عسکری ریخس بھی لکھنؤ میں انیس کے پانچویں مزار دفن ہیں۔

میر انیس کے چھوٹے بیٹے میر محمد سلیم ۱۸۲۹ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے

اور ترسٹھ برس کی عمر میں ۱۸۹۰ء میں لکھنؤ میں باپ کی پانچمین دفن ہوئے۔ سلیس کی تصانیف میں جو کچھ باقی ہے اس میں سولہ سترہ مرچے، کئی غزلیں سلام اور قصائد شامل ہیں۔ میر سلیس کے کلام میں پنجنگی زیادہ تھی اور بقول شاد عظیم آبادی ”اگرچہ دوران قیام فیض آباد اور انیس کے انتقال کے بعد بھی انھوں نے کئی مرچے نہایت مربوط کہے تھے لیکن ان کے ہم عصر یہی سمجھتے رہے کہ وہ اپنے والد میر انیس ہی کا کلام پڑھتے ہیں۔“

میر انیس کے پوتے اور میر غیس کے بیٹے سید خورشید حسن عروج ۱۲۸۲ھ ہجری میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۷۷ برس کی عمر گزار کر ۱۳۳۸ھ ہجری مطابق ۱۹۳۰ء میں مقبرہ میر انیس لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ”عالی مقام وزینت منبر عروج بود“ (۱۳۳۸) ہے دولہا صاحب عروج کی ادبی خدمات میں انھیں مرچے، سلام اور رباعیات ملتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ دولہا صاحب کا مرثیہ پڑھنے کا انداز بہت دلکش اور رعب دار تھا۔ جب دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی نے میر انیس کے مرثیوں کی ترتیب کے لئے دولہا صاحب سے رجوع کیا تو دولہا صاحب نے اس کام کے لئے دس ہزار روپیوں کا مطالبہ کیا جو اشاعتی کمیٹی نے قبول نہیں کیا اور بعد میں اس کام کو نظم طباطبائی کے سپرد کیا گیا، جنھوں نے میر انیس کے کلام کو ترتیب دے کر تین جلدوں میں شائع کیا جو ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۳ء اور ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔ دولہا صاحب عروج کے فرزند سید محمد فائز ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ترسٹھ برس کی عمر میں ۱۹۳۶ء میں مقبرہ میر انیس میں دفن ہوئے۔ فائز کے تقریباً چودہ چودہ مرچے کچھ سلام اور رباعیات ہیں جو زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں۔ چونکہ فائز صاحب لا ولد



رہے اس لئے میر انیس کے خاندان کا یہ سلسلہ یہاں پر ختم ہو گیا۔

میر انیس کے خاندان میں دو سکے عظیم شعر امیر وحید، میر جلیس، میر غفور، قدیم لکھنوی، جلیل لکھنوی میر مانوس، میر عارف، ذکی لکھنوی، فرید لکھنوی، فائق لکھنوی اور لائق لکھنوی قابل ذکر ہیں جو اس گلشن مرثیہ کو اپنے قلم کی رنگینی اور خیالات کی خوشبو سے رشک شاعری بناتے رہے۔ اگرچہ آج میر انیس کی اولاد سلب موجود نہیں لیکن ان کے فرزند ان روحانی یعنی ”اشعار“ رہتی دنیا تک ان کی یاد دلاتے رہیں گے۔ اسی لئے تو ذوق نے کہا تھا:

رہتا خن سے نام قیامت تک ہے ذوق

اولاد سے رہے بھی دو پشت چار پشت

## میر انیس کی ولادت

میر انیس فیض آباد کے محلے گلاب باڑی میں پیدا ہوئے۔ آپ میر خلیق کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے جو ۱۲۱۶ ہجری اور ۱۲۳۰ ہجری کے درمیان ہے۔

جناب شکی نعمانی، جناب مسعود حسن ادیب، جناب فیر مسعود رضوی اور ڈاکٹر اکبر حیدری نے تاریخ ولادت ۱۲۱۸ ہجری بتائی ہے۔

میر انیس کی ماں بیکا بیگم تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ جنھیں عربی، فارسی اور اسلامیات میں اتنی دستگاہ حاصل تھی کہ میر انیس کی ابتدائی تعلیم انہی کے ذریعہ ہوئی۔ وہ خود دار خوش اخلاق، متقی و پرہیزگار خاتون تھیں اور ان کی سراسر زندگی

دوسری عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ یہ میر انیس کی والدہ کی تعلیم و تربیت کا ہی اثر تھا کہ میر انیس کو اسلامی اقدار اور اپنے مذہبی عقیدے سے بے پناہ محبت تھی۔ یہ اسی مومنہ کی آغوش کا بھی اثر تھا کہ ان کے تینوں بیٹے، کئی پوتے اور نواسے عظیم اردو ادب کے شاعر بن کر ظاہر ہوئے اور اس صنفِ سخن کو جو اعلیٰ اقدار انسانی اور کردار نورانی سے بھرپور تھی اردو شعر و ادب کو مالا مال کر دیا۔

### تعلیم و تربیت:

میر انیس ابتدائی اردو فارسی اور عربی تعلیم کو اپنی ماں سے حاصل کرنے کے بعد درسیات میں حکیم میرٹھو کے شاگرد ہوئے۔ مرحوم مسعود حسن ادیب کہتے ہیں کہ ”میر انیس نے درسیات کی ابتدائی کتابیں سید نجف علی قبلہ فیض آبادی سے پڑھیں۔ سید نجف علی کشمیری بڑے جید شیعہ عالم تھے وہ تعلیم کتب درسیہ اور علم قرأت میں بے مثل اور لامتناہی تھے۔

مولانا نجف علی علم طب میں کامل اور شاعر بھی تھے۔ وہ بانئیں (۲۲) سے زیادہ کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ آپ کا انتقال ۱۲۵۴ ہجری میں ہوا اور قطعہ تاریخ و وفات ”اے ہے سید نجف علی فاضل“ سے نکلتی ہے۔ کہتے ہیں میر انیس نے عربی تعلیم کی تکمیل مولوی حیدر علی صاحب کے زیر نگرانی کی جو خفی عالم تھے۔

مراثی میر انیس جلد دوم میں نظم طباطبائی لکھتے ہیں: ”میر انیس کے کلام سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم متعارفہ سے ناواقف نہ تھے۔“ پروفیسر ادیب لکھتے ہیں کہ ان کے کلام کا غور سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمی استعداد کے بارے میں

مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

الف: وہ عربی زبان بہ خوبی جانتے تھے۔ اپنے کلام میں عربی لفظ، فقرے، محاورے اور ترکیبیں بے تکلف اور برعمل استعمال کرتے تھے۔ عربی صرف و نحو کے مسائل کی طرف جا بجا اشارہ کرتے ہیں۔ عربی اقوال اور امثال وغیرہ کا ترجمہ بھی ان کے کلام میں ملتا ہے۔

ب: قرآن اور احادیث کا کافی علم رکھتے تھے۔ آیات اور احادیث ان کے ترجمے، ان کی طرف اشارہ و تفسیر و حدیث کی کتابوں کے نام رادیوں کے حوالے یہ سب چیزیں ان کے کلام میں موجود ہیں۔

ج: اپنے زمانے کے دوسرے علوم دینی سے بھی واقف تھے۔ ان کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ کی اصطلاحیں بکثرت موجود ہیں۔

د: فارسی زبان و ادب پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ ان کے مرثیے کا ایک ایک مصرعہ ان کی فارسی دانی پر شہادت دیتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک من علم سے کام لینے کے لیے دس من عقل بھی رکھتے تھے۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر "چار پائے براؤ کتابی چند" کا مصداق ہو جانا اور چیز ہے اور علم کو اپنی ذات کا جزو بنالینا اور اس پر حاکمانہ قدرت رکھنا اور بات ہے۔ میر انیس کے نواسے میر علی مانوس جو نو برس کے سن سے پچیس برس تک میر انیس کے ساتھ رہے بیان کرتے ہیں کہ میر انیس کے پاس کوئی دو ہزار کتابیں ہوں گی۔ دو بڑے بڑے صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میر انیس نے قدر کے بعد شاہنامہ فردوسی کا ایک عمدہ نسخہ مطلقاً مصور بخط ولایت دوس

روپیہ کا خرید اتھا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ میر انیس نے منطق و فلسفہ کا درس مفتی میر عباس سے لیا۔ فن سپاہ گری کی تعلیم میر امیر علی سے لی۔ یہ فن آگے چل کر میر انیس کی رزم نگاری میں بڑا مددگار ثابت ہوا۔ میر انیس فارسی نظم و نثر لکھنے پر بھی قادر تھے۔ فارسی نثر پر میر انیس کے خطوط اس بات کا ثبوت ہیں۔ فارسی نظم میں دو تاریخی قطعے مثال میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ علامہ مفتی میر محمد عباس کی مثنوی من و سلونی کی تاریخ طبع چھ اشعار میں لکھی جس کے آخری شعر سے ۱۲۶۳ ہجری کے اعداد نکلتے ہیں:

داو ہاتف ایں صداے دل پذیر  
ہست تاریخش "کلام بے نظیر"

جب ممتاز العلماء فخر الدین سید محمد تقی جنت مآب کے یہاں پوتا پیدا ہوا تو میر انیس سے تاریخ کی فرمائش کی۔ سمعاً و طامعاً کہہ کر وہ قبیل ارشاد پر تیار ہوئے اور چھ اشعار پر مبنی ایک قطعہ لکھا جس کے آخری شعر سے ۱۲۸۱ ہجری کی تاریخ نکلتی ہے۔

"چو ارشاد جناب سیدی شد  
چے تاریخ مکتوم " نیک اختر"

شاعری کی ابتدا:

میر انیس نے گیارہ بارہ برس کی عمر ہی سے شاعری شروع کر دی تھی۔ وہ

پہلے غزل گوئی کی طرف مائل تھے اور اپنا کلام اپنے والدِ غلیظ اور چچا میر غلیظ کو دکھاتے تھے، پھر کچھ عرصہ کے لئے شیخ ناسخ کو غزلیات میں اپنا استاد بنایا۔ جب غزل میں پختگی آگئی اور فیض آباد کے مشاعروں میں آپ کی قدر ہونے لگی تو شفیق باپ کی فصاحت سن کر غزل سے مرثیہ گوئی کی طرف رخ کیا۔ آپ حیات میں مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

”جب میر انیس کہیں مشاعرے میں گئے اور غزل پڑھی وہاں بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ سن کر دل میں باغ باغ ہوا اور ہونہار فرزند سے پوچھا کہاں گئے تھے۔ انہوں نے حال بیان کیا۔ غزل سنی اور فرمایا کہ ”بھئی اب اس غزل کو سلام کرو اور اس مسئلہ میں زور طبع صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔“

شیخ ناسخ نے میر ہمدانی کا تخلص حزیں سے بدل کر انیس کر دیا۔ اس واقعہ کی تائید میں سید مہدی حسن احسن ”واقعات انیس“ میں لکھتے ہیں کہ جب انیس نے اپنے والد کی موجودگی میں ناسخ کے سامنے اپنی غزل کا شعر پڑھا:

کھلا باعث یہ اس ہے درد کے آنسو نکلنے کا  
دھواں لگا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

تو ناسخ جھومنے لگے اور فرمایا۔ یہ فرزند رشید آپ کے یادگار خاندان ہوں گے اور یاد رکھئے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کی عالم گیر شہرت ہوگی۔ مگر بجائے حزیں کوئی اور تخلص ہونا چاہیے۔ میر غلیظ نے فرمایا۔ آپ ہی کوئی تخلص تجویز کرو دیجیے۔ ناسخ نے تمہوڑا سا سکوت کیا اور پھر کہا مجھے تو

”انیس“ پیارا لگتا ہے۔ میرا انیس نے بہ کمال ادب سلام کیا اور اُس روز سے انیس ہو گئے۔

ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ میرا انیس مرحوم نے بچپن میں ایک بکری پالی تھی جس کو بہت چاہتے تھے۔ جب وہ مری تو ان کو بہت ملال ہوا اور اس کے مرنے پر یہ شعر فرمایا:

افسوس کہ دنیا سے سز کر گئی بکری  
آنکھیں تو کھلی رہ گئیں اور مر گئی بکری

جب میرا خلیق کو خبر ہوئی تو ہونہار بیٹے کو بلا کر مکرر اس شعر کو پڑھوایا۔ تعریف سے دل بڑھایا اور اس خوشی میں کہ صاحبزادے نے پہلے پہل شعر کہا ہے۔ اپنے بچکانوں میں منجائی تقسیم کی اور بڑی دھوم دھام سے انیس مرحوم کی شاعری کی یہ بسم اللہ ہوئی۔

پروفیسر ادیب لکھتے ہیں کہ شاعری میں ان کے کسی استاد کا نام نہیں ملتا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس فن کے وہ شعبے جو اکتاب سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے اپنے بڑے چچا میر خلیق اور والد میر خلیق سے سیکھے ہوں گے۔ مگر انھوں نے چاہا میر خلیق اور ان کے اجارے کا ذکر کیا ہے۔ مشہور ہے کہ میرا انیس اُس روایت کو جس میں حضور اکرمؐ فرط شفقت سے امام حسینؑ کے لئے اونٹ بننا چاہتے تھے نظم کر رہے تھے اور دوسرا مصرعہ کہہ لیا تھا لیکن پہلا مصرعہ جو پسند کے قابل ہو نہیں سکا رہا تھا چنانچہ میر خلیق نے پوچھا بیٹا کیا سوچ رہے ہو۔ انیس نے ٹیپ کا دوسرا مصرعہ پڑھا۔ میر خلیق نے فوراً کہا بیٹا مصرعہ لگا دو۔

جب آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے بنتے ہیں  
اچھا سوار ہوئے ہم اونٹ بنتے ہیں

فنون سپاہ گری:

مولف ”حیات انیس“ احمد علی اشہری جو میر انیس کے استاد فن سپاہ گری میر  
احمد علی کے محلے میں رہتے تھے ان کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ میر انیس نے ”علی  
مدد“ کلڑی کا ثاٹ اور ہانک بنوٹ کی کچھ گھائیاں اُن سے لیکیں۔ میر انیس کبھی  
تنگے بدن مشق نہیں کرتے تھے بلکہ ورزش کے مناسب کپڑے بنوائے تھے۔ میر  
انیس نے امر ازادگان کے ساتھ فیض آباد میں ایک حد تک شمشیر زنی کی مشق کی  
تھی۔ اس فن سپاہ گری کی واقعیت نے رزم نگاری میں میر صاحب کی جزئیات بیانی  
میں مدد کی۔ میر انیس ہمیشہ ورزش کرنے کے عادی تھے۔ چنانچہ غلوت میں ایک  
مخصوص کمرے میں ورزش کرتے جو عموماً ڈنڈے کرنے اور شکر ر ہلانے پر مشتمل تھی۔

حلیہ

پروفیسر مسعود حسن اویس نے میر انیس کی شکل و صورت کو دو بزرگوں کے  
حوالے سے لکھا ہے جنہوں نے میر انیس کو دیکھا اور سُنا تھا۔ میر انیس کے حقیقی  
نواسے سید علی مانوس نے کہا کہ ”میر انیس کا قد درمیانہ، بالکل پہ درازی، ورزش کی  
وجہ سے جسم ٹھوس، اعضا متناسب و چست، چھریا بدن، چوڑا سینہ، صراحی دار  
گردن، خواہ صورت کتابی چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، گہبواں رنگ، مونچھیں ذرا بڑی،

واڑمی اتنی باریک کتر لاتے تھے کہ دور سے منڈی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے بزرگ مولوی عبدالحی صاحب مرثیہ خوانی میں میرا انیس کے شاعر بھی تھے کہتے ہیں ”میرا انیس کا قد لہا میانہ سے کچھ زیادہ تھا۔ اُن کا بدن چست ٹھوس اور چھریا تھا واڑمی منڈواتے تھے۔“

حیات انیس میں امجد علی اشہری میرا انیس کی شکل و صورت کے بارے میں لکھتے ہیں: ”میرا انیس کا قد لانا چھریا، متناسب الاعضا تھا۔ سر کے بال باریک اور طائم چہرہ خوبصورت اور کتابی، رنگ کھلا ہوا گندی، آنکھیں بڑی بڑی خوبصورت جن کی خوش آب سفیدی زمس کا لطف دیتی تھی۔ آنکھوں کے تیز سے غیورانہ حالت ظاہر ہوتی تھی۔ پتلی کی روشنی بہت تیز تھی۔ مونچھیں بڑی بڑی انگنڈہ مو، واڑمی صاف، گردن صراحی دار، سینہ کشادہ اور عریض مگر زیادہ ابھرا ہوا نہ تھا۔ میرا انیس کی چال نستعلیق تھی۔

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ ”جب میرے دوست حافظ حکیم سید احمد شاہ مرحوم لکھنؤ میں حکیم علی صاحب سے طب پڑھتے تھے انہوں نے مجھ کو لکھ بھجا کہ اب کہ قرینے میرا انیس کی صحت کا نہیں ہے تو میں نے گھبرا کر میرا مونس کو لکھا کہ جس طرح ہو سکے میرا صاحب کا ایک فوٹو لے کر مجھ کو بھیج دیجیے۔ میرا مونس نے میرا صاحب کو میرا خط دکھایا۔ کوئی صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ حضور مشکور الدولہ ہیں ان کو بلوایجیے۔ دم بھر میں فوٹو لے لیں گے۔ ان سے کہا کہ میں تو ہرگز تصویر نہیں چاہتا مگر ایسے شخص نے لکھا ہے کہ عذر نہیں کر سکتا۔ آپ ہی مشکور الدولہ کو سلام کہہ دیجیے اور کہیے کہ میرا انیس نے بلوایا ہے۔ دوسرے دن مشکور



الدولہ اپنا سامان لے کر آئے اور چاہا کہ اسی حالت کی تصویر لیں مگر میر صاحب نے نہ مانا۔ یہ مشکل کرسی پر بیٹھے فوٹو لیا گیا۔ میر موتس نے ان سب حالات کو لکھ کر دو فوٹو مجھ کو اور دو نواب بہادر کے پاس بھیج دئے۔ ان دنوں زیادہ دن رہنے سے فوٹو کا رنگ اڑ جاتا تھا۔ کئی سال کے بعد یہی خرابی ہمارے یہاں فوٹو میں ہونے لگی تو اپنے شہر کے بہادر ومانی وقت میر زاد غار مہدی مرحوم کو بلا کر ایک مہینہ تک اپنا مہمان رکھا اور اس فوٹو کی نقل سے ایک آئل پینٹ (oil Paint) یعنی ایک بڑی روغنی تصویر کھینچوائی اور جو جو حضرات اس زمانہ تک میر انیس کے دیکھنے والے تھے ایک ایک کر کے سب نے دیکھا اور اچھی طرح سے جانچ لی گئی تو ایک نقل میر نفیس مرحوم کو بھیج دی۔ انھوں نے بھی بہت پسند کیا۔ اب تک میرے کمرے میں موجود ہے۔“

معتبر ذرائع سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ قد آدم روغنی تصویر شاد عظیم آبادی کے ہال کمرے میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء تک لٹکی رہی مگر جب ڈلے میں گر گئی تو مرمت کر کے اس جگہ آویزاں کیا گیا جو ۱۹۳۰ء میں برسات کی وجہ سے چھت گر جانے سے ملبہ میں رہ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور کسی نے اس جانب توجہ بھی نہ کی، لیکن ہو بہو یہی تصویر پیارے صاحب مرحوم رئیس مظفر آبادی کے تین گھاٹ والے مکان میں موجود تھی۔ خدا جانے یہ تصویر کیا ہوئی؟

پروفیسر غیر مسعود رضوی ”بزم انیس“ میں کہتے ہیں کہ انیس کی مستند ترین تصویر وہ ہے جو ان کے ایک قدر دان نے کسی با کمال مصور سے ہاتھی دانت کی خنقی پر بنوا کر ان کی خدمت میں پیش کی تھی۔ میر انیس کی جو تصویریں عام طور پر چھتی رہتی

ہیں وہ اسی ہاتھی دانت والی تصویر کا نقش مستار ہیں لیکن ان نقوش میں اصل کے مو قلم کی باریکیاں نہیں آسکیں۔ اصل تصویر میں میر انیس کی غلافی آنکھیں، آنکھوں کے نیچے باریک تھڑیاں رخساروں کی ہڈیوں کا ہلکا سا ابھار، ذرا پھیلے ہوئے نچسنے اور بچے ہوئے پتلے پتلے ہونٹ مل کر ایک ایسے شخص کا تاثر پیدا کرتے ہیں جو بے حد ذکی الحس اور ارادے کا مضبوط ہے۔ یہ تصویر میر خورشید علی انیس کے نواسے میر علی محمد عارف کے خاندان میں موجود تھی۔

## وضع اور لباس

میر انیس کی وضع خاص مشرقی لباس سے مرکب تھی۔ انیس کے لباس کے بارے میں ان کے نواسے سید علی مانوس نے پروفیسر ادیب سے بیان کیا کہ ”سر پر حباب کی شکل کی قالب پر چڑھی ہوئی ٹوپی جو گرمیوں میں سفید اور جاڑوں میں ریشمی کام کی رنگین ہوتی تھی۔ نیچا نیچا خوب گھیر دار کرتا جو گھٹنوں سے کچھ نیچا اور سفید رنگ کا ہوتا تھا، جامدانی یا مٹل کا گرمیوں میں صرف یہی کرتا مگر جاڑوں میں انگر کے کی قطع کاروائی دار۔ گرمیوں میں ڈھیلی مہری کا سفید پاجامہ جسے عرض کا پاجامہ کہتے تھے۔ جاڑوں میں اسی وضع کا ریشمی رنگین پاجامہ جو اوڑے سبز یا گلابی شرو ع کا ہوتا تھا یا گل بدن کا گھر میں زرد نخل کا گھیتلا جوتا۔ باہر اسی وضع کا زردوزی جوتا جو اس وقت پچیس تیس روپے کا بنتا اور اکثر کارنگر گھر پر بلوا کر بنوایا جاتا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی اور رد مال۔ کبھی کبھی دوپٹا بھی کندھے پر آڑا کر کے ڈال لیتے تھے۔ امجد علی اشہری کہتے ہیں۔ میر صاحب نے اپنے لئے وہ لباس اختیار کیا

تھا جو آخر وقت تک اُن کے جسم پر موزوں رہا اگرچہ اس دوران لکھنؤ کی وضع میں کئی تغیرات آئے اور زبان نے کئی رنگ بدلے، لیکن میرا انیس کی وضع ان کی زبان کی طرح وہی رہی جو پہلے تھی۔ میرا انیس سر پر بیچ گوشہ ٹوپی لگاتے تھے۔ کبھی گول پردہ کا انگر کھا زیب جسم فرماتے تھے اور لکھنؤ کے عام رواج کے موافق غرارہ کا ڈھیلا پاجامہ پہنتے تھے۔ ہاتھ میں پتلی چھری اور سفید رومال ہوتا تھا۔

## پابندی اوقات

میرا انیس ایک خاص رکھ رکھاؤ اور پابندی اوقات کے بے تاج بادشاہ تھے۔ وہ خود بھی وقت کی پابندی کرتے اور دوسروں سے بھی یہی امید کرتے تھے۔ وہ اپنے بے تکلف روزمرہ ملنے والے افراد حتیٰ کہ خاندان والوں اور بھائیوں سے ایک خاص وضع سے ملنے اور کسی کو بھی حدِ ادب سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ”حیات انیس“ کے مولف امجد علی اشہری لکھتے ہیں کہ خود انھوں نے میرا خادم علی اور نواب بدھن صاحب جیسے اکابر لکھنؤ سے سنا ہے کہ میرا صاحب تک پہنچنے اور ان سے ہم کلام ہونے کے لئے درباری قسم کے چند قواعد کی پابندی لازم تھی۔ کوئی یوں بے تکلف سامنے نہ جاسکتا تھا جب تک کہ میرا صاحب اس کے آنے کی اجازت نہ دیں یا ملاقات کا وقت مقرر نہ ہو جائے۔ میرا خادم علی سے ملاقات کے لئے انیس نے رات کا وقت مقرر کیا تھا۔

## اخلاق و کردار

میر انیس سادہ مزاج خوش مشرب اور پُر خلوص فرد تھے۔ ان کی شخصیت بڑی دل نواز اور ان کی صحبت بڑی خوشگوار ہوتی تھی۔ میر حامد علی کے قول کے مطابق میر انیس نہایت خوش گفتار تھے۔ جب تک وہ گفتگو کرتے رہتے تو کوئی بھی شخص کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میر انیس کے حیدرآباد کے سفر کی روداد کا ذکر کرتے ہوئے جناب شریف العلماء مولوی سید شریف حسین خاں صاحب اپریل ۱۸۷۱ء میں میر انیس کے ساتھ اپنی ہم نشینی کے بارے میں کہتے ہیں "میں عرض نہیں کر سکتا ہوں کہ میر صاحب کی صحبت میں کیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ وہ بڑے غیور، خوش اخلاق، نیک مزاج اور نہایت خوش صحبت ہیں کہ انسان ان کی باتوں میں محو ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی بات کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔" شاہ عقلم آباوی جنھوں نے میر انیس سے کم از کم پچیس بار ملاقات کی تھی فکرِ بلیغ میں میر صاحب کے اخلاق اور مزاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "میر انیس ہرگز بد مزاج، خود پسند اور بداخلاق نہ تھے۔ جب ملا اور صحبتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ان سے زیادہ خوش مزاج، منکسر، خوش اخلاق شاید ہی کوئی ہو۔ خندہ روئی کے ساتھ لوگوں سے جبکہ کر صاحب سلامت اور تعظیم کرنا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر جناب اور آپ حضور کے گلے سے مخاطب کرنا، اہل فن کی حرمت کرنا اور بزرگوں کے نام کو تعظیم کے ساتھ لینا اس کا ثبوت ہے۔"

میر انیس کی خاص عادت تھی کہ وہ کبھی کسی کی غیبت کو گوارا نہیں کرتے

تھے۔ جب عظیم آباد میں ایک سائل نے میر انیس کے سامنے کہا کہ مرزا دیر کیا ہیں اور آپ سے کیا مقابلہ کر سکتے ہیں تو میر انیس متغیر ہو گئے۔ اٹھے کمرے میں گئے اور دو روپے لے کر نکلے۔ ان کو بلا کر کہا۔ سید صاحب! مرزا دیر نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ وہ آپ کے جد کا مرثیہ کہتے ہیں۔ دیکھئے پھر آئندہ ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالئے خاص کر میرے سامنے۔ جب سید صاحب چلے گئے تو کہنے لگے اچھے پڑھے لوگ بھی اس عیب میں جھٹلا ہیں کہ میں خوش ہوں گا۔ حالانکہ مجھ پر الٹا اثر ہوتا ہے۔ مرزا دیر نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ کیا میرے لیے وہ مرثیہ گوئی ترک کر دیتے۔ کیا میر انیس کے اس اخلاق و انکساری کا جواب مل سکتا ہے؟ جب مشہور سلام ”سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو“ کے سلسلہ میں مولس نے مرزا دیر پر طعنہ دیا تو میر انیس خفا ہوئے اور مولس کو مرزا دیر کے پاس بھیجا تاکہ معافی مانگیں۔ اسی طرح مرزا دیر اپنے شاگرد مشیر لکھنوی پر خفا ہوئے اور میر انیس کے پاس بھیج کر معافی مانگی۔

## میر انیس کا شعری ذخیرہ

آج سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر بھی فارسی ادب میں فردوسی کی فرضی داستان کے پچاس ہزار اشعار بہ مشکل ”شاہ نامہ“ میں موجود ہیں۔ لیکن اسے زمانے کی ستم نظریاتی کہیے کہ ابھی میر انیس کا کفن سیلا بھی نہ ہوا تھا کہ ان کا بیشتر کلام ضائع ہو گیا۔ میر انیس نے یہ کہہ کر ”جا کیر ظلم لینا ہے اس کا صلہ مجھے۔“ اس کی حفاظت اور طباعت کی طرف چنداں توجہ نہ کی۔ خاندانی افراد نے بھی اس کی

جمع آوری کی کوئی خاص کوشش نہ کی بلکہ مولف ”حیات انہیں“ امجد علی اشہری سے میرا انہیں کے سکے بھائی میر مہر علی اس نے سعدی کا شعر پڑھ کر اس پہل نگاری کی تمام تر ذمہ داری خاندان پر رکھی۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند

سعدی از دست خوشن فریاد

میرا انہیں نے گیارہ بارہ برس سے شعر گوئی شروع کی تھی۔ چنانچہ ساٹھ سال کی ریاضت کی مقدار زیادہ تھی کیوں کہ انہیں نے تمام عمر مرثیہ کہا اور اپنی عمر عزیز کے روز و شب اسی شغل نیک میں صرف کر دیے۔ ”حیات انہیں“ میں امجد علی اشہری انہیں کے مرثیوں کی تعداد ہزاروں بتاتے ہیں۔ خود انہوں نے دو ڈھائی سو مرثیے دیکھے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد ”آب حیات“ میں مرثیوں کی تعداد دس ہزار بتاتے ہیں۔ ”یادگار انہیں“ میں امیر احمد علوی نے میرا انہیں کے مرثیوں کی تعداد لگ بھگ چودہ سو بتائی ہے۔ ”فکر بلخ“ میں شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں۔ ”میر صاحب نے ایک ہزار سے زیادہ مرثیے نظم کیے اور اسی قدر یا اس سے کچھ کم سلام و رباعیات۔ پھر مرثیہ بھی زیادہ تر دو دو سو اکثر تین تین سو بند۔ ہر مرثیہ بلکہ ہر بند میں ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اس افراط و احتیاط سے لے کر آتے جس کی تعریف محال اور جسے دیکھ کر عقل ٹنگ ہوتی ہے۔ کہہ سکتا ہوں کہ قریب ایک لاکھ لفظوں کے جواہر اس خوب صورتی اور بے تکلفی سے چن کر بہ سلیقہ و ترتیب جمع کر لئے تھے کہ اب جو چاہے اپنے دامن فکر میں بے کھٹک بھر لے۔“

مرحوم ڈاکٹر صفدر حسین اس وقت موجود مرثیائی انہیں کی تعداد ۲۵۰ کے قریب

بتاتے ہیں۔ پروفیسر نیر مسعود ’بزم انہیں‘ مطبوعہ ۱۹۹۰ میں میر صاحب کے مطبوعہ مرثی کی تعداد تقریباً دو سو، سواسو کے قریب سلام، کوئی چھ سو رباعیاں چند منتخبیں، نوے، فارسی میں بعض قطعات اور کچھ خطوط کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ کلام بتاتے ہیں۔ ایسیات کے بعض علما نے غزلیات کے تقریباً ۱۳۳ اشعار بھی میر صاحب سے منسوب کیے ہیں۔ جو چار غزلوں اور کچھ مفرد شعروں کی شکل میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تحقیق کے بموجب مرثی ۲۱۳، ۱۰۳، سلام، ۱۳، نوے اور درجن بحر تضمینات بھیجات کے علاوہ رباعیات ۵۷۹ ہمارے درمیان مطبوعہ حالت میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی انہیں سے منسوب ہے۔ شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے ہیں۔ ”آج کل یورپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاتا ہے کہ اس نے اور شعرا سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کیے ہیں۔ اگر ہم بھی اس کو معیار کمال قرار دیں تو بھی میر انہیں کو اردو شعرا میں سب سے بہتر ماننا پڑتا ہے۔ اگرچہ نظیر اکبر آبادی نے شاید میر انہیں سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں مگر اس کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔ بخلاف انہیں کے کہ اس کے ہر لفظ اور محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔“ حالی کا یہ جملہ ”نظیر اکبر آبادی نے شاید انہیں سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں“ کو، کورانہ بغیر تحقیق کے دوسرے علمائے ادب نے استعمال کرتے ہوئے لفظ شک ”شاید“ بھی نکال دیا۔ راقم نے اس امر کی تحقیق کے لیے کلیات نظیر اکبر آبادی چھاپ گھنوی ۱۹۲۲ء کا مطالعہ کیا جو ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ نظیر اکبر آبادی

(متوفی ۱۶ اگست ۱۸۲۰ء) کے دو اردو دیوان، ایک فارسی دیوان اور سات فارسی مضامین ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کے کلیات میں تقریباً سات ہزار اشعار ہیں۔ ان کا پہلا دیوان جس کی بابت مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دی تاسی نے لکھا تھا وہ دیونا گری رسم الخط میں ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا۔ اب عنقا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کے سوانح نگار پروفیسر شہباز کے قول کے بموجب صرف پانچ فارسی مضامین مخطوطات کی شکل میں دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں مخطوطات کے سکن میں موجود ہیں۔ ان تصانیف سے اس بات کی تائید نہیں کی جاسکتی کہ نظیر اکبر آبادی نے میر انیس سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔

اگرچہ میر انیس کے جملہ اشعار کا تعین کرنا دشوار ہے لیکن جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام ہمارے پاس موجود ہے ان میں کل اشعار کی تعداد اسی (۸۰) ہزار اشعار سے زیادہ نہیں اور اس طرح الفاظ اور اشعار کی تعداد کے لحاظ سے میر انیس اردو شاعروں میں سرفہرست ہیں۔

## انتخاب بحر

میر انیس نے مرثیوں کے لئے چار بحرؤں کے اوزان مقرر کر لئے تھے۔ چنانچہ مطبوعہ مرثیوں میں بحر ہزج کے اوزان اربع، مکشوف و مخدوف میں (۸۷) مرثیے، بحر مضارع کے اوزان اربع مکشوف و مخدوف میں (۵۲) مرثیے، بحر رمل کے اوزان مخبون اور مخدوف میں (۵۳) مرثیے اور بحر جث کے وزن مخبون، مخدوف میں تین چار مرثیے موجود ہیں۔



## مرثیوں کے مطلعے

مراثی میر انیس میں تقم طابعائی لکھتے ہیں کہ انیس نے جو مرثیے ابتدائی عمر میں لکھے وہ مختصر ہوتے تھے اور زیادہ تر اے مومنو یا مومنو سے شروع ہوتے تھے لیکن جیسے جیسے مشق سخن بڑھتی گئی مطلعوں میں نکھار آتا گیا۔ چنانچہ میر انیس کے ۶۷ سے زیادہ مرثیے لفظ "جب" سے شروع ہوتے ہیں جن میں کئی شاہکار مرثیے شامل ہیں۔

## نظام اوقات

میر انیس کے نواسے سید علی مانوس نے میر انیس کے نظام اوقات کے بارے میں بتایا کہ میر انیس قریب قریب ساری رات جاگتے تھے۔ نماز صبح پڑھ کر آرام کرتے تھے۔ کوئی نو بجے سو کر اٹھتے تھے۔ دس گیارہ بجے کھانا کھاتے تھے۔ اس کے بعد میر موسیٰ اور میر فیض کے کلام پر اصلاح دیتے تھے۔ دو بجے کے قریب پھر آرام کرتے تھے۔ عصر کے وقت اٹھتے اور نماز سے فارغ ہو کر دیوان خانہ میں تشریف لے جاتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد مرثیے کی تصنیف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ مرثیہ کہنے کے وقت مکان کے جنوبی رخ کے دوسرے در پہچے میں تخت پر بیٹھتے تھے۔ سامنے کنول روشن رہتا تھا۔ پہلو میں کتابیں ہوتی تھیں۔ زیادہ تر دو زانو بیٹھتے تھے۔ جب کچھ سوچنے لگتے تو اکثر کہنیاں زانودں پر

ہوتی تھیں اور رخسار ہاتھوں پر۔ مرثیہ گوئی کا مشغلہ نماز صبح کے وقت تک جاری رہتا تھا۔ میر مانوس نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ میر انیس مرثیہ کہتے وقت چادر اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور خود بولتے جاتے تھے اور کوئی شخص لکھتا جاتا تھا۔

## شعراء کی قدردانی

میر حامد علی تقریباً ہر رات نو بجے سے بارہ بجے رات تک میر انیس کی خدمت میں رہتے۔ کبھی کبھی موتس اور نصیس بھی شریک ہو جاتے۔ ان صحبتوں میں زیادہ تر شعر و ادب کے متعلق گفتگو رہا کرتی تھی۔ اچھے اچھے اشعار پڑھتے جاتے اور ان پر تبصرہ کیا جاتا۔ جن میں فارسی کے اشعار زیادہ اور اردو کے کم ہوتے۔ میر انیس ہمیشہ دوسرے شعراء کے اشعار سناتے تھے لیکن کبھی اپنے شعر نہیں پڑھتے تھے۔ ان راتوں کی محفلوں میں شاہنامہ فردوسی کا اکثر ذکر ہوتا۔ میر انیس کو شاہنامہ کے بہت سے اشعار یاد تھے۔ وہ فردوسی کو خدائے سخن کہا کرتے تھے۔ حیدر آباد کے قیام کے دوران کسی عالم شخص نے میر انیس کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میر کی شاعری کا پایہ بھی آپ کے سامنے پست نظر آتا ہے۔ انیس نے فرمایا میر غزل کے استاد۔ میں ایک مرثیہ گو۔ انھوں نے کہا جناب عالی میر اقول بے دلیل نہیں، مقابلہ کر لیجئے۔

میر کا مطلع

اس زلف پہ محو ہو گئے ہم      یعنی سرِ شام سو گئے ہم

اور آپ نے فرمایا

اک آہ میں سرد ہو گئے ہم      ٹھنڈی جو ہوا تھی سو گئے ہم  
میر کا ایک اور شعر

ہاتھوں پہ جھڑیاں نہیں ہیں  
بھری ہاے کو جن رہی ہے  
آپ نے فرمایا:

یہ جھڑیاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف بھری نے  
چنا ہے جلد ہستی کی آسیںوں کو  
یہ سن کر میر انیس مسکرانے لگے۔ میر انیس غالب سے اور غالب میر انیس  
کے کلام سے بخوبی واقف تھے۔ میر انیس غالب کو یگانہ روزگار جانتے تھے اور  
قربان علی سالک شاد و غالب کے سامنے غالب کو انہی الفاظ سے یاد بھی کیا تھا۔  
مرزا غالب کے انتقال پر میر انیس کے قلم سے لکھے ہوئے چار مصرعے ان  
کے قلبی تاثرات کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

نگوار جہاں سے باغِ جنت میں گئے      مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے  
مداحِ علی کا مرتبہ اعلا ہے      غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے  
جب شادِ عظیم آبادی نے خواجہ آتش کی تعریف کی تو ان سے اتفاق کرتے  
ہوئے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں وہ ہمارے فیضِ آبادی کے تھے۔ پھر جب شاد  
نے شیخ ناسخ کے بارے میں کہا تو کہنے لگے۔ ذی علم تو ضرور تھے لیکن دل میں

خاک اُڑتی تھی۔ شاد نے خواجہ وزیر کے متعلق کہا کہ یہاں لوگ ان کے رنگ پر مر رہے ہیں تو کہنے لگے لکھنؤ کا بھی یہی حال ہے مگر اب لوگ سمجھتے جاتے ہیں۔ میرا نیش نے سالک کے سامنے موٹن خاں موٹن کو اپنی طبیعت کا بادشاہ کہہ کر یہ شعر پڑھا:

نہ کچھ ٹٹوخی چلی بادِ صبا کی  
گھڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

### تقلید طرز مرثیہ

بعض افراد نے میرا نیش کو میر حمیر کا قبیح کہا ہے۔ ان لوگوں نے مرثیہ کا ڈھانچہ جو مسدس ہیئت میں میر حمیر کے دور میں اس کے مختلف اجزا کے ساتھ تیار ہو چکا تھا اس کو طرزِ حمیر سمجھ کر ان کے اس شعر کو اس کی سند بتائی ہے۔

دس میں کہوں سو میں کہوں یہ درد ہے میرا

جو بھی کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

لیکن یہاں طرز سے مراد ہیئت مرثیہ یا اجزائے مرثیہ نہیں بلکہ مرثیہ کی داخلی ساخت ہے۔ چنانچہ جن افراد نے میر حمیر کے مرثیوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حمیر کے طرز میں مرثیہ کا چہرا اور سراپا تخیل کی بلندی، معنی آفرینی اور استعاروں کی نمائش ہوتا ہے جب کہ میرا نیش کا طرز بیان اس سے بہت جدا ہے۔ اسی لئے تو میرا نیش نے کہا تھا:

جدد آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو  
لفظ مغفل نہ ہو گنجلک نہ ہو تقلید نہ ہو

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے  
اجداد با وقار سے میراث پائی ہے  
ایک مرچے میں فرماتے ہیں:

خلق میں مثل خلق اور قرا غش کو کوئی کب نام لے دھولے نہاں کوزہ تنیم سے جب  
بلبل مکش زہرا و خلق عاشق رب شمع مرثیہ گوئی میں ہوئے جس کے سب

ہو اگر ذہن میں جودت تو وہ موزونی ہے  
اس احاطے سے جو باہر وہ بیرونی ہے  
یہ طرز اسلوب انیس اور ان کے خاندان کے لیے مخصوص تھی۔ فرماتے ہیں۔  
سچ ہے یہ طرز خاص کوئی جانتا نہیں  
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

تلامذہ

جن افراد نے میر انیس سے اپنے کلام پر اصلاح لی اور خواندگی مرثیہ یکھی  
ان میں موسیٰ، نصیر، ریحی اور سلیم کے علاوہ فارغ بیجا پوری، ذکی لکھنوی، رفیع

لکھنؤی قابل ذکر ہیں۔ میر انیس کے شاگردوں میں موس، نفیس، اور فارغ نے نام حاصل کیا۔ فارغ کے صرف ایک مرثیہ پر انیس کی اصلاح ہے۔ فارغ نے ایک مرثیہ ۸۰۰ بند کا لکھا ہے۔

## اقامت گاہیں

میر انیس گلاب باڑی فیض آباد میں پیدا ہوئے اور چالیس پچالیس سال کی عمر میں لکھنؤ تشریف لائے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فیض آباد میں میر انیس کا گھر محلہ رانھہ حویلی جسے بھگد بھی کہتے ہیں واقع تھا۔ میر انیس نواب امجد علی شاہ کے زمانے (۱۸۳۶ء) میں لکھنؤ آئے اور لکھنؤ کے مختلف محلوں میں سکونت پذیر ہوئے، جن میں شید یوں کا محلہ، سلٹی، نخاص، پنجابی ٹوال، منصور نگر، سبزی منڈی، عقب چوک اور محلہ آئینہ سازاں مشہور ہیں۔

## ذاتی امام باڑہ

میر انیس نے ۱۲۷۱ھ ہجری میں اپنے بیویوں سے لکھنؤ میں گومتی کے کنارے خوبصورت عزا خانہ تعمیر کروایا تھا جس میں بیش قیمت حیرکات، علم پتکے اور ضریح موجود تھے۔

افسوس کہ میر صاحب اس عزا خانہ میں دو تین برس سے زیادہ بچھلیں نہ کر سکے۔ غدر میں گولہ باری کے اثر سے یہ امام باڑہ دوسری عمارتوں کے ساتھ

منہدم ہو گیا اور اس کی تاریخ امام بازہ کی قسمت بن گئی جہاں ہمیشہ حضرت زہراؑ کے رونے کی آواز سنی جائے گی۔

## منبر پر نشست اور پڑھنے کا انداز

معجز چشم وید افراو کے قول کے مطابق میرا نیس منبر کے دوسرے زینہ پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ بعض وقت وہ دوور بیٹھے ہوئے لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے تو لوگوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اوپر کے زینہ پر بیٹھیں لیکن انہوں نے کبھی اسے پسند نہیں کیا۔ میرا نیس نہایت وقار اور ادب سے منبر پر بیٹھتے تھے اور پہلے نقشِ تصویر ہو کر چند منٹ تک چپ بیٹھے رہتے۔ مرثیہ پڑھتے وقت گھٹنوں پر سفید رومال ڈال لیتے۔

میر صاحب کا انداز مرثیہ خوانی بے نظیر تھا۔ جب وہ شعر پڑھتے تو شعر کی صورت بن جاتے تھے۔ یعنی شعر میں جو جذبات ہوتے وہ مجسم کی صورت میں لوگوں کی نظروں کے سامنے آ جاتے تھے۔ وہ چشم وابدو کے اشارات اور تہور سے شعر کے جذبات بناتے تھے اور بہت ہی کم جسم کے کسی حصہ کو جنبش دیتے۔ شعر میں اگر غم خوشی حیرت غصہ، رحم، تعجب یا شجاعت کا ذکر ہوتا تو وہ اس کی تصویر بن جاتے۔ یہ طرز مرثیہ خوانی میر صاحب نے کسی سے سیکھا نہیں تھا بلکہ وہ خود اس کے موجد تھے اور یہ عطائے الہی تھی۔ چنانچہ امیر احمد علوی "یادگار انیس" میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شاگرد میرا نیس سے مرثیہ خوانی سیکھنے کی درخواست کرتا تو وہ اس سوال سے متغض ہو جاتے اور فرماتے "یہ کیا سیکھے گا اور میں کیا سکھاؤں گا؟ بھئی یہ

کچھ کیسے کافن ہے؟

مولانا آزادؒ ”آب حیات“ میں لکھتے ہیں۔ ”میر انیس مرحوم کو میں نے پڑھتے ہوئے دیکھا، کہیں اتفاقاً ہی ہاتھ اٹھ جاتا یا گروں کی ایک جنبش یا آنکھ کی گردش تھی کہ کام کر جاتی ورنہ کلام سارے مطالب کے حق پورے کرو جاتا تھا۔“

مولانا امجد علی اشہری مولف ”حیات انیس“ لکھتے ہیں۔ میں نے میر انیس کو پڑھتے ہوئے سنا وہ فقط امرو کے اشارے اور گروں کی حرکت سے کام لیتے تھے۔ ان کے اعجاز و وضاحت کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے۔ آنکھوں نے جو دیکھا اس کے لیے زبان نہیں جو کچھ کہہ سکے۔ شیخ حسن رضا ”ترویج موازنہ“ میں لکھتے ہیں کہ ”میر انیس کے اندر مرثیہ خوانی میں افراط و تفریط کا نام نہ تھا۔ نوٹ اور تصنیع کی ہوا تک نہ آنے پائی تھی۔ تہذیب اور اشارات مہذبانہ جیسے ان بزرگوں سے ادا ہوئے آج تک کسی غیر سے تو کیا ان کے خاندان میں کسی سے حتیٰ کہ ان کی اولاد سے بھی وہ شان اور وہ بات دیکھنے میں نہیں آئی۔“ خود میر انیسؒ اپنی خوش کلامی کے بارے میں ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

شہرہ ہو سو جو خوش کلامی کا ہے    باعث مدح الماعن نامی کا ہے  
میں کیا آواز کیسی پڑھتا کیسا    آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے  
مولف حیات رشید، میر انیس کے نواسے جناب پیارے صاحب رشید کی زبانی لکھتے ہیں کہ ”میر انیس کا پڑھنا بہت مہذب تھا۔ وہ صرف آواز کے اتار چڑھاؤ اور اشارات سے کام لیتے تھے۔ شاد و عظیم تہادی جنھوں نے میر صاحب کا



شاہکار مرثیہ ”جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے“ کو بیسویں بند سے عظیم آباد کے عاشور خانہ میں سنا، لکھتے ہیں میرا نیتس ہال میں پورپ کی طرف ایک چھوٹے سے سیاہ پوش منبر پر پڑھ رہے تھے۔

ع: وہ دشت اور وہ خیمہ زنگارگوں کی شان

وہ دشت کو سرلی بلند آواز میں ایسا کہینا چا تھا کہ وسعت دشت آنکھوں میں پھر گئی۔ اللہ اللہ وہ لفظوں کا ضمیر او وہ لب و لہجہ وہ لبوں پر مسکراہٹ فرض کس بات کو کہوں۔ اُس وقت میرا نیتس کی جو بات تھی کھجور کے اندر اتاری چلی جاتی تھی۔

مشہور ہے کہ میرا نیتس جب کوئی مقام رقت آمیز پڑھتے اور جوش گریہ سے بے چین ہو جاتے تو ضبط کی فرض سے نیچے کے ہونٹوں کو داغٹوں میں دبالیجے جس سے دائیں جانب کا رخسارہ متحرک ہو جاتا تھا۔ ان کا تو اس انداز سے یہی مقصود تھا کہ جوش گریہ سے آواز گلوگیر نہ ہو مگر قد رتنا یہ دلفریب ادا دل کو بے تاب کر دیتی۔ رزم پڑھتے وقت چہرے پر جذبات کے نقوش یوں ظاہر ہوتے کہ چہرے کی تھڑیاں مٹ جاتی اور چہرے کی رگ و پے میں خون کا دورہ اس قدر ہوتا کہ چہرہ پر جوانی کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی  
بجلیاں تینوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

یہ شرط ہے کہ نہ دعویٰ کروں طلاق کا  
کسی کی تیغ جو بڑھ کر مری زبان سے چلے

شخص العلماء مولانا ذکاء اللہ صاحب سابق پرنسپل عربی کالج الہ آباد بیان کرتے ہیں "جب میں الہ آباد کی میر انیس کی مجلس میں پہنچا تو عالی شان مکان آدمیوں سے بھر چکا تھا۔ اس لئے میں کھڑا ہو کر سننے اور دور سے ٹھٹھکی باندھ کر۔ میر انیس کی صورت اور ان کے ادائے بیان کو دیکھنے لگا۔ میر انیس بڑھے ہو چکے تھے۔ مگر ان کا طرز بیان جوانوں کو مات کرتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر ایک کل کی بڑھیا بیٹھی لڑکوں پر جا دو کر رہی ہے جس کا دل جس طرف چاہتی ہے پھیر دیتی ہے اور جب چاہتی ہے ہنساتی ہے اور جب چاہتی ہے رُلاتی ہے۔ میں اس حالت میں دو گھنٹے کھڑا رہا۔ میرے کپڑے پینہ میں تر ہو گئے اور پاؤں خون اترنے سے شل ہو گئے۔ مجھ کو یہ بات محسوس نہ ہوئی۔ اس سے زیادہ دلچسپ محویت کیا ہوگی۔" پیری کے ضعف اور ناتوانی میں بھی وہ زور بیانی تھا کہ خود فرماتے ہیں۔

گو چہ ہوں پر زور جوانی ہے ابھی تک      سوکھے ہوئے دریا میں دھولنی ہے ابھی تک  
دنداں نہیں، پر تیز بیانی ہے ابھی تک      قبضے میں وہ منجی صفا ہانی ہے ابھی تک

گھٹا زور      مشق خن      بڑھتی گئی۔

ضعیفی نے ہم کو جواں کرتے دیا

پروفیسر اویب لکھتے ہیں کہ میر انیس نہایت خوش آواز تھے اور جتنے خوش آواز تھے اُس سے زیادہ کہیں خوش بیان تھے۔ خوش آوازی اور خوش بیانی کے علاوہ تقریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مقرر کی آواز کا اتار چڑھاؤ چہرے کا تغیر، آنکھوں

کی گردش، اعضا کی حرکت یہ سب چیزیں موقع و محل کے مناسب ہوں۔ اس طرح تقریر کے ہر لفظ کا صحیح مفہوم سامعین کے ذہن نشین ہو جاتا ہے اور بہت کچھ جو لفظوں سے ادا نہیں ہو سکتا وہ بیان کے انداز سے ادا ہو جاتا ہے۔ انیس مرثیہ اس طرح پڑھتے تھے کہ کلام کا اثر بدرجہا بڑھ جاتا تھا۔ ایک ایک اشارے سے واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ ان کا پڑھنا سن کر مبہوت و متحیر ہو جاتے۔ عام طور سے مسلم ہے کہ میر انیس کا سا مرثیہ پڑھنے والا آج تک پیدا نہیں ہوا۔

## پہلی مجلس

انیس کی پہلی مجلس کے بارے میں لوگوں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انیس کی پہلی مجلس اکرام اللہ خاں کے امام باڑے میں واقع ہوئی جس میں میر ظلیق اور میر فتح میر پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن دونوں بزرگوں کی رائے سے انیس نے یہاں مجلس پڑھی۔ شروع میں انھوں نے ذیل کی رباعی پڑھی تھی۔

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا      ظن علم صاحب معراج ملا  
منبر پر نشست سر پہ حضرت کا علم      اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا  
اگرچہ لکھنؤ کی کئی منتخب مجالس کا ذکر ملتا ہے جس میں تاریخی مجلس محل شامی،  
مجلس سرائے معالی خاں، مجلس میاں مداری، مجلس مسجد چوک وغیرہ وغیرہ یہاں ہم

صرف مجلس چہلم اہلیہ میر تمیز کے ذکر کے بعد عظیم آباد اور حیدر آباد کی مجلس سے ہوتے ہوئے انہیں کی آخری مجلس پر بیان تمام کریں گے۔

## مجلس چہلم اہلیہ میر تمیز

مرزا دیر کے استاد میر تمیز نے میر انیس کی بڑھتی ہوئی شہرت اور ان کے عروج کمال کو دیکھتے ہوئے اپنی اہلیہ کی مجلس چہلم میر انیس سے پڑھوائی۔ اُس وقت میر انیس کی عمر ۳۵ سال تھی۔ اس مجلس میں تمام شہر کے امراء رؤسا، اور خاص و عام کے علاوہ خواجہ آتش اور خواجہ تاج بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں میر صاحب نے یہ مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے:

آمد ہے کربلا کے نیساں میں شیر کی  
جب میر انیس نے نکوار کی تعریف میں یہ بیت پڑھی:

اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے  
شاہوں کی آمد ہے سپاہی کی جان ہے

تو خواجہ آتش جو پہلے ہی سے جھوم رہے تھے اور جن پر عالم وجد طاری تھا نصف قد سے کھڑے ہو گئے اور بلند آواز میں کہا۔ کون بے وقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو واللہ تم شاعر گرو اور شاعری کا مقدس تاج تھمارے ہی سر کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔

## مجالس عظیم آباد

میر انیس چار سال ۱۸۵۹ء، ۱۸۶۰ء، ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۲ء میں عظیم آباد تشریف لے گئے۔ تین سال آپ نواب قاسم علی خان اور آخر بار ان کے فرزند کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ میر موس بھی جاتے تھے لیکن ایک سال تینوں بھائی عظیم آباد گئے۔ چنانچہ پہلے موس اور پھر انس اور آخر میں میر انیس نے مرثیے پڑھے۔ میر انیس نے اپنا شاہکار مرثیہ ”جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے“ عظیم آباد میں ۱۸۵۹ء میں پڑھا تھا۔

## میر انیس حیدر آباد میں

۱۸۷۱ء میں حیدر آباد دکن کے رئیس نواب تہور جنگ بہادر نے انیس کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ میر انیس ۱۰ مارچ ۱۸۷۱ء سے ۱۵ اپریل ۱۸۷۱ء تک حیدر آباد میں رہے۔ پہلی محرم کو انھوں نے مرثیہ سنانے سے پہلے یہ رباعی پڑھی۔

اللہ و رسول کی امداد رہے      سر بزمِ یہ شہر فیضِ نبیاد رہے

نواب ایسا رئیسِ اعظم ایسے      یارب آباد حیدر آباد رہے

پھر مرثیہ غ: ”بخدا فارس میدان تہور تھا غز“ پڑھا۔ جب مرثیہ شروع ہوا تو ایک سماں بندھ گیا اور چاروں طرف داد و اکا شور بلند ہوا۔ میر انیس نے پورے دس دن یکم محرم سے عاشور تک مسلسل مجالس پڑھیں۔ سارا حیدر آباد مشتاق بلکہ

”ہیچہ“ ہو گیا۔ کسی مجلس میں پانچ ہزار سامعین سے کم نہ تھے۔ یہاں کے معر لوگ کہتے ہیں کہ سو برس سے ایسی مجلس اور ایسے مجمعے یہاں نہیں ہوئے۔ خاص کرنویں تاریخ کو میر صاحب نے ایک لاجواب مرثیہ پڑھا۔ مطلع ہے: ”جب خاتمہ بخیر ہوا فوج شاد کا۔“ تہور جنگ بہادر نے پانچ ہزار روپے نقد نذرانہ دیا۔

## آخری مجلس

”حیاتِ انیس“ میں امجد علی اشہری لکھتے ہیں کہ میر انیس نے آخری مجلس نواب باقر علی خاں صاحب اور نواب جعفر علی خاں صاحب کے شیش محل میں پڑی۔ اس مجلس میں جو مرثیہ پڑھا اس کا مطلع ہے۔ ”جاتی ہے کس شکوہ سے دن میں خدا کی فوج“۔

## بیماری

میر انیس آنکھوں میں ضعف آنے کے بعد بے حد مضحمل رہنے لگے۔ لوگوں کے اصرار پر پڑھتے۔ کبھی کبھی موتس اور نفیس منبر کے پاس کھڑے رہتے اور بتاتے جاتے تھے۔ اتنے ضعیف ہو گئے کہ ہاتھ تھام کر چلنے کی ضرورت رہتی۔ دانت ہلنے لگے تو تار سے بندھوایا۔ اکثر تار سے خراش پہنچتی تھی۔ اس وقت بھی ظرافت ہاتھ سے نہ جانے دی اور فرمایا دیکھو میں دانتوں میں زبان پڑ گئی ہے۔

سوکھ کر کاٹا ہوا ہوں اے انیس

پھر بھی دشمن کی نگہ میں خار ہوں

احسن لکھنوی لکھتے ہیں کہ ۲۳ رمضان ۱۲۹۱ ہجری میر صاحب تپ اور درد سر میں مبتلا ہوئے۔ رفتہ رفتہ جگر پر درم آ گیا۔ لکھنؤ کے مشہور اطباء کا علاج جاری رہا۔ آخر میں اسہال کبھی اور دق کی شکایت ہو گئی تھی۔ میر صاحب کا حال پوچھنے کے لیے اتنے لوگ آئے کہ ایک ڈھیر امام خاں کا کمرے میں لگا ہوا تھا۔ موتی کے دیوان فصاحت عنوان میں لکھا ہے کہ میر انیس نے آخری وقت یہ رہائی کہی:

عازم طرف بالا ہوں میں اب اپنے مکاں کو جانے والا ہوں میں  
یارب ترا نام پاک چنے کے لئے گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

## وفات

۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۷ء شب جمعہ میر انیس نے انتقال کیا۔ رات کو غسل دیا گیا۔ جناب غفران مآب کے امام باڑے میں قبلہ و کعبہ سید بندہ حسین صاحب نے نماز جنازہ پڑھوائی اور اپنے باغ واقع سبزی منڈی میں نماز صبح سے پہلے پر د خاک کئے گئے۔

ہجری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیس

اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

بہت سے لوگوں کو خبر نہ ہوئی لیکن پھر بھی بزاروں غم گساروں نے نماز جنازہ پڑھی۔ جناب فضل احمد کیف نے فی البدیہہ تاریخ رحلت کہی۔ ”جان بہ شب اذل ذی قعدہ داؤ“ مجلس فاتحہ اور مجلس چہلم سید تقی صاحب کے امام باڑے میں ہوئی۔

چہلم کی مجلس میں جب قیس نے انیس کی یہ رباعی پڑھی تو رونے کا کھرام بھا۔  
 دردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا      تنہا تن ناتواں کفن میں ہوگا  
 اس وقت کریں گے پاورونے والے      جس دن نہ انیس انجمن میں ہوگا  
 قاضی عبدالودود مجلہ ”معاصر“ پٹنہ شمارہ ایک میں مضمون ”مرگ انیس“ کے  
 ذیل میں لکھتے ہیں۔ اودھ اخبار کی خبر کے مطابق حضرت مرزا دبیر میر انیس کی  
 میت پر جا کر بہت روئے اور فرمایا ایسے معجز بیان، فصیح اللسان اور قدردان کے اٹھ  
 جانے سے اب کچھ لطف نہ رہا۔

بقول صاحب یادگار انیس (مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۳۱) مرزا  
 سلامت علی دبیر نے ایک دردناک تاریخ میر باقر سوداگر کے امام باڑہ (چوک)  
 کی مجلس میں پڑھی۔ چشم دید شہادت ہے کہ مرزا صاحب تاریخ کے اشعار پڑھتے  
 جاتے اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرتے جاتے تھے۔

آسمان بے ماہ کامل، سدرہ بے روح الامین  
 طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

پورے شعر سے ۱۸۷۴ء نکلتے ہیں۔ مصرعہ ثانی سے ۱۲۹۱ ہجری برآمد ہوتے  
 ہیں۔ بیسویں صدی کے سب سے بڑے ”ہیپے“ سید مسعود حسن رضوی ادیب نے  
 دبیر کی یہ تاریخ لوح حزار انیس پر کندہ کر دئی۔

مشہور عالم دین میر محمد عباس نے میر انیس ہی کی رباعی کے چوتھے مصرعے  
 سے مرحوم کی تاریخ وفات نکالی ہے۔



سال تاریخ بھی گویا کہ کلام ان کا ہے  
 ”ہائے جز خاک نہ بکلیہ نہ بچھونا ہوگا“

(۱۲۹۱ ہجری)

ممتاز ادیب و خطیب جناب ضیاء الحسن موسوی نے میر انیس کی لاجواب  
 تاریخ وفات انیس کے ہی مشہور مصرعے سے نکالی ہے۔

اپنے بارے میں حسن فرما گئے ہیں جو انیس اس سے بہتر سال رحلت اور ہو سکتا نہیں  
 اک صدی کے بعد بھی تاریخ دیتی ہے صدا ”جوہری بھی اس طرح موتی پر دسکتا نہیں“

۱۷۷۹ء

۹۵

”صدا“ کے ۹۵ اعداد انیس کے چوتھے مصرعے کے ۱۷۷۹ کے ساتھ ملائے  
 تو سال وفات  $(۱۷۷۹ + ۹۵) = ۱۸۷۴$ ء برآہ ہوگا۔

## رباعیات انیس کا اجمالی تذکرہ اور تجزیہ

رباعی اگرچہ نام عربی ہے لیکن یہ صنف شاعری ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ رباعی اردو شاعری کی مقبول ترین صنف تھن نہ ہوتے ہوئے بھی ممتاز صنف مانی جاتی ہے۔ یہ شاعری کی کفر صنف اس وجہ سے بھی ہے کہ اسے صرف ایک بحر ہرج کے چوبیس اوزان میں اور چار مصرعوں میں ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ عربی، فارسی اور اردو میں رباعی کی وسعت اور تکمیل ایک ہی طرح کی ہے لیکن دنیا کی دوسری زبانوں میں اس سے ملتی جلتی شکلیں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ ہندی میں ”چوپائی“ ملتی جلتی چیز ہے۔ ملک محمد جاسی کی ”پداوت“ اسی چوپائی میں ہے۔ سنسکرت میں ”چار جن“ بھی رباعی کے قریب ہے۔ کالی داس کا مشہور ڈرامہ ”میگھ دوت“ چار جن میں لکھا گیا۔ پشتو کی ”چار بیتیہ“ بھی جو چار مصرعوں پر مشتمل ہے رباعی سے ملتی ہے۔ رباعی انگریزی اور فرانسیسی Quatrain کواثرین سے صرف چار مصرعوں میں مشترک ہے جو ایک قسم کے Stanza ہے جس میں کل چار مصرع ہوتے ہیں ورنہ مغربی زبانوں میں ایسی کوئی صنف تھن نہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ دو جہتی، ترانہ اور چہار مصرع وغیرہ رباعی سے جدا گانہ ہیں اور ان کے اوزان بحر ہزج کے چوبیس اوزان میں شامل نہیں۔

رباعی ایرانیوں کی ایجاد ہے اور فارسی سے عربی میں ”دو بیت“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ ڈاکٹر محمد وحید مرزا ”اروڑ رباعیات“ میں لکھتے ہیں رباعی کا فارسی نام خود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ ایرانی الاصل شعرا ہی کی جدت طبع اور قوت اختراع کا نتیجہ تھی۔ سوائے دو چار محققین فارسی اور اردو جن میں سلیمان ندوی بھی شامل ہیں تقریباً تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رباعی ایرانی الاصل ہے۔ ذیل میں چند معتبر حوالے پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر پرویز نائل خاطری اپنی شاہکار تصنیف ”تحقیق اشتقاقی اور عروض فارسی“ میں لکھتے ہیں کہ رباعی کا اصل وزن فارسی ہے اور عربی میں ایسا وزن نہ تھا، عربوں نے اسے ایرانیوں سے سیکھا ہے۔  
 ”اصل این وزن فارسی است در عرب چنین وزنی بودہ و عرب ہا آن را از ایرانیان آموختہ اند۔“

۲۔ تاریخ ادبیات فارسی کی مستند تصنیف ”المعجم“ میں محمد قیس بن رازی جو ۷۲۰ ہجری میں زندہ تھا لکھتا ہے کہ جو زحافات وزن رباعی میں موجود ہیں ان کا عربی اشعار میں وجود نہ تھا۔ ”زحافی کہ درین وزن (رباعی) مستعمل است در اشعار عرب نہ بودہ است۔“

۳۔ ”مقیاس الاشعار“ میں اوج ٹکنوی نے لکھا کہ رباعی کا وزن پہلے کی عربی

شاعری میں نہ تھا۔

۴۔ ”حدائق البلاغت“ کے مصنف نے لکھا ”رباعی را شعرائے عجم اختراع مسوده اند“

۵۔ ”تکفیس عروض و قافیہ“ میں مولوی علی حیدر طباطبائی نے لکھا ”رباعی اصل میں فارسی والوں کا نکالا ہوا ایک وزن ہے۔“

۶۔ محمود شیرانی نے ”تتہید شعر النعم“ میں لکھا ”اصناف شاعری میں رباعی اور مشنوی ایرانیوں کی ایجاد تسلیم کی جاتی ہے۔“

۷۔ نجم الغنی ”بحر الفصاحت“ میں لکھتے ہیں ”عرب میں رباعی کا دستور نہ تھا یہ شعرائے عجم نے بحر ہزج سے نکالی ہے۔“

۸۔ پنڈت دتاترکینی نے ”کیفیہ“ میں لکھا کہ ”رباعی ایرانیوں کی ایجاد ہے۔“

۹۔ ”مخزن القوائد“ کے مولف لکھتے ہیں کہ رباعی کے اوزان ایرانیوں نے بحر ہزج سے نکالے ہیں ”اوزان رباعی اہل عجم از بحر ہزج برآوردہ اند۔“

اسی طرح ”اردو رباعیات“ میں ڈاکٹر سلام سندیلوی نے ”اردو رباعی“ میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ”رباعیات انجس“ میں علی جوازیدی اور درجنوں دیگر ارباب عروض و تنقید نے رباعی کو ایرانیوں کی ایجاد تسلیم کیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے رباعی کو عربی نہاد بتانے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ اپنی تصنیف ”خیام“ میں عونی کی تصنیف ”الہاب الالہاب“ جلد دوم سے حظلہ بادغیسی کی دو جنسیں لکھ کر اسے قدیم ترین رباعی کہہ کر رباعی کی ایجاد کو عربی ادب کی دین اور طاہر یہ خاندان

(۲۰۵ ہجری - ۲۵۹ ہجری) کی پیدائش جاتے ہیں۔ اگر ہم مولانا ندوی کے پیش کردہ چار مصرعوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ رباعی کے چوبیس اوزان میں نہیں اس لیے یہ پہلی رباعی نہیں ہو سکتی۔

یارم سپند اگرچہ بر آتش ہی گزند

از بھر چشم تا نرسد مرد را گزند

او را سپند و آتش ناید ہی بکار

با روی بھو آتش و با خال چون سپند

ہمیں معلوم ہے کہ مولانا شبلی نے ”شعر العجم“ اور پروفیسر محمود شیرانی نے ”تحقید شعر العجم“ میں اس کی تردید کی ہے۔ شیرانی لکھتے ہیں۔ ”سید صاحب نے دو جہتیں تو عونی کی تحقید میں لکھ دیا لیکن الفاظ ”جو رباعی کے وزن پر ہیں“ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ حالانکہ یہ شعر رباعی کے وزن پر ہرگز ہرگز نہیں۔ رباعی کے اوزان بحر ہرج سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ابیات بحر مضارع میں واقع ہوئے ہیں۔“

فارسی رباعی کی اولیت کا سہرا کس شاعر کے سر باندھا جائے اس ضمن میں بھی علمائے ادب میں اختلاف نظر آتا ہے۔

رباعی کی ایجاد کے سلسلے میں ہمیں دو قدیم روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سلطان یعقوب لیث صفار متوفی ۲۶۵ ہجری کے بیٹے کا قاض جس میں جب وہ عید کے دن غزنہ میں جوڑ بازی کر رہا تھا جوڑ میں سات گویہی میں چلے گئے اور ایک جوڑ اچھل کر باہر آ گیا اور جب کچھ ہی دیر میں وہ لڑک کر اندر چلا گیا تو لڑکے کی زبان

سے خوشی سے یہ الفاظ نکلے۔

غلطاً غلطاً ہی رود تا لب کو

سلطان یعقوب کو یہ مصرعہ پسند آیا اُس نے اس پر مصرعے لگانے کو کہا چنانچہ اس کے دربار کے دو شاعر ابو دلف اور زینت الکعب نے مل کر اس پر تین مصرعے لگائے اس طرح پہلی رباعی وجود میں آئی۔ اس روایت کا ذکر ”تذکرۃ الشعراء“ ۸۹۳ ہجری میں دولت شاہ نے کیا۔

دوسری روایت میں ابو دلف اور زینت الکعب کی جگہ رودجی کا نام لیا گیا ہے۔ قیس بن رازی نے اپنی تصنیف ”الاعتصم“ ۶۳۰ ہجری میں کسی لڑکے کے اخروٹ کھیلنے کا قصہ بیان کیا اور پھر اُسے رودجی کے نام سے جوڑ دیا۔ ”تذکرۃ الشعراء“ دولت شاہ میں ابو دلف اور زینت الکعب اور سلطان صفار کے لڑکے کی روایت سے متاثر ہو کر سید سلیمان ندوی نے ”خیام“ میں نصیر الدین ہاشمی نے ”حضرت امجد کی شاعری“ کے مقدمہ میں، عزیز لکھنوی نے ”کلام رواں“ کے مقدمہ میں اور سید محمد عباس نے ”رباعیات انہیں“ کے مقدمہ میں رباعی کو عربی نژاد اور ابو دلف اور زینت الکعب کو پہلے رباعی گو شاعر قرار دیا۔ حالانکہ تحقیقات سے ان روایتوں کی صحت کا علم نہیں ہوتا۔ ابو دلف اور زینت الکعب کا ذکر صفار کے دور کے شعرا میں نہیں ہوتا اور اسی طرح رودجی متوفی ۳۲۹ ہجری کا وجود بھی نہیں ملتا۔ یہ روایتیں محض فرضی داستانوں کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے جس کو ایران کے ممتاز ادیب و ماہر عروض پر و فیسر ناظم خاطری نے لکھا ہے کہ رباعی کسی شاعر کی ذاتی

ایجاد نہیں بلکہ اس قسم کے اشعار مدت سے ایران میں رائج تھے واصل رباعی قدیم ایران کے ترانہ کی ارتقائی صورت ہے۔ پروفیسر نائل خاطر نے رباعی سکے وزن کے قدیم ہونے اور ایرانی ہونے کا مزید ثبوت دیتے ہوئے بتایا ہے کہ کسی بحر میں اس قدر اختیارات نہیں جس قدر ترانہ کی بحر میں ہے اس کی کئی شکلیں ایران میں رائج تھیں اور اس کا وزن کسی ایک شخص نے ایجاد نہیں کیا۔ رباعی ایک ارتقائی صنف سخن ہے۔

علمائے شعر و ادب کہتے ہیں کہ رباعی کا شروع میں نام دو بیتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ”دو بیتی“ تھا چنانچہ قدیم عرب میں اسے ”دو بیت“ کہتے تھے۔ ابن خلدون نے بھی اسے دو بیت لکھا ہے۔ بعض شاعروں نے اسے چار مصرعوں پر مشتمل ہونے کی خاطر ہر مصرعہ کو ٹیلہ شمار کر کے ”چار بیتی“ بھی کہا ہے۔ اسے قدیم ایران میں ترانہ کہا گیا اور بقول شیخ محمد اقبال رباعی نام تیسری اور چوتھی بھری میں پڑا۔ اسے بعض مقامات پر جنفتی اور چہار مصرعی بھی کہا گیا۔ عام رباعی میں اگر چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں تو اسے غیر نضی کہتے ہیں یہ مستحسن ہے لیکن اس کا رواج قدیم میں تھا اور آج کل یہ عمل متروک ہے جب تیسرے مصرعے میں قافیہ نہ ہو تو اسے نضی کہتے ہیں جو رباعی کی مقبول ترین قسم ہے اگر رباعی کے ہر مصرعہ کے ساتھ ایک ایک فقرہ رباعی کے وزن کا ملحق کر دیں تو اسے رباعی مستزاد کہتے ہیں۔

رباعی صرف بحر ہزج میں کہی جاتی ہے۔ ہزج لغت میں اچھی آواز اور گانے کی

آواز کو کہتے ہیں۔ بحر ہزج مفاعیلین کی چار بار تکرار سے پیدا ہوتی ہے۔ عروضیوں نے بحر ہزج سالم سے دس ارکان نکالے اور رباعی کے لیے مخصوص کر دیے ہیں ان میں ایک سالم ہے اور باقی نو زحافات کے ساتھ آتے ہیں۔ رباعی کے ہر مصرعہ میں انھیں دس ارکان میں سے کوئی چار رکن آئیں گے۔ ”مداہق“ میں ابن قیس لکھتے ہیں امام حسن قطان نے رباعی کے چوبیس اوزان کو ترتیب میں لانے کے لیے دو شجرے اخزم اور اخر ب تیار کیے۔ چنانچہ رباعی کے چار مصرع ان میں سے کسی ایک وزن پر لکھے جاسکتے ہیں۔ حکیم محمد نجم الغنی رام پوری نے ”بحر الفصاحت“ میں نقل کیا ہے کہ اس آزادی کے باعث تقریباً تراسی ہزار شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں جن کے اوزان اور ترتیب مصالیح میں فرق ہوگا۔ اخر ب کے تمام اوزان مفعول سے اور اخزم کے تمام اوزان مفعولن سے شروع ہوتے ہیں۔

اخر ب	اخرم
۱ مفعول مفاعیلین مفعول فاعل	مفعولن مفعولن مفعولن فاعل
۲ مفعول مفاعیلین مفعول فعل	مفعولن مفعولن مفعولن فاعل
۳ مفعول مفاعیلین مفعول فاعل	مفعولن مفعولن مفعولن فاعل
۴ مفعول مفاعیلین مفعولن فاعل	مفعولن مفعولن مفعولن فعل
۵ مفعول مفاعیلین مفاعیلین فاعل	مفعولن مفعول مفاعیلین فاعل
۶ مفعول مفاعیلین مفاعیلین فعل	مفعولن مفعول مفاعیلین فاعل
۷ مفعول مفاعیلین مفاعیلین فاعل	مفعولن مفعول مفاعیلین فاعل
۸ مفعول مفاعیلین مفاعیلین فاعل	مفعولن مفعول مفاعیلین فعل



- |    |                           |                           |
|----|---------------------------|---------------------------|
| ۹  | مفعول مفاعیل مفاعیلین فاع | مفعول فاعلین مفاعیلین فاع |
| ۱۰ | مفعول مفاعیل مفاعیلین فع  | مفعول فاعلین مفاعیلین فع  |
| ۱۱ | مفعول مفاعیل مفاعیل فاعول | مفعول فاعلین مفاعیل فاعول |
| ۱۲ | مفعول مفاعیل مفاعیل فعل   | مفعول فاعلین مفاعیل فعل   |

اردو رباعی پر گفتگو کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ فارسی رباعی گو شعرا اور فارسی رباعی کے ارتقا پر روشنی ڈالی جائے۔ فارسی شاعری کا گہرا اثر اردو شاعری پر رہا چنانچہ فارسی رباعی بڑی حد تک اردو رباعی پر اثر انداز رہی لیکن اس کے ہوتے ہوئے بھی اردو رباعی بہر حال برصغیر کے حالات، خصوصیات اور تغیرات کی عکاسی بھی کرتی رہی۔ فارسی کا پہلا رباعی گو شاعر کون ہے اس بارے میں علمائے شعر و ادب میں اختلاف ہے۔ مولانا سلیمان ندوی نے اپنی تالیف ”خیام“ میں بایزید بسطامی کو پہلا رباعی گو شاعر، رودکی کو دوسرا اور ابوشکور بلخی کو تیسرا رباعی گو شاعر تسلیم کیا ہے جب کہ پروفیسر محمود شیرانی نے ”آفرین نامہ“ ۲۳۶ ہجری کے مصنف ابو شکور بلخی جن کے حالات عمونی کی ”لباب الالباب“ میں ملتے ہیں پہلا رباعی گو شاعر قرار دیا ہے۔ ابوشکور بلخی سامانی عہد کا ممتاز شاعر تھا جس سے یہ رباعی منسوب ہے۔

ای گشتہ من از غم فراوان تو پست  
شد قامت من ز درد ہجران تو شست  
ای شستہ من از قریب دستان تو دست  
خود پیچ کسی بمرت و شان تو ہست

رودچی جو سامانی دور کا مشہور شاعر اور بھٹی کا ہم عصر تھا اکثمت اور "معیار البلاغت" کے مصنفین کے مطابق پہلا رباعی گو شاعر تھا لیکن علمائے تحقیق نے رودچی کے کلام کو مشکوک بتایا ہے۔ چنانچہ رودچی کے دیوان میں چھ رباعیات ملتی ہیں وہ سب مشکوک اور الحاقی ہیں۔

بشم زحمت بہر عشقی کہ بسف  
بر چہ ہزار گل ز برازم بگلست  
رازی کہ دلم ز جان ہی داشت نہت  
اشکم بزبان حال با خلق بکشت

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ رباعی ایک کثر منصف شاعری ہے چنانچہ اس ہزار برس کے عرصے میں تین چار ہی فارسی رباعی کے عظیم شاعر پیدا ہوئے جن میں عمر خیام، ابو سعید ابوالخیر، عطار اور سرمد کے نام سرفہرست ہیں۔ اگرچہ مولانا روم جو صرف اپنی مثنوی معنوی کے باعث شہرت رکھتے ہیں تقریباً آٹھ سو رباعیات کے خالق ہیں۔ کلیات سعدی شیرازی میں ایک سو ستر سے زیادہ رباعیات نظر آتی ہیں۔ حافظ شیرازی، جانی وغیرہ کے دواوین میں رباعیات ملتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ سخابی استرآبادی جو صفویہ دور کے ممتاز شاعر تھے انھوں نے سترہ ہزار سے زیادہ رباعیات لکھیں لیکن ان کا رباعیوں کا مجموعہ الگ سے شائع نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی رباعیات ضائع ہو گئیں اور اب کئی رباعیات دوسری کتابوں میں نظر آتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ فارسی کے تقریباً ہر بڑے شاعر نے کم و زیادہ رباعیات لکھیں اور اسی کا نتیجہ کرتے ہوئے برصغیر میں مسعود سعد سلمان

لاہوری، امیر خسرو دہلوی، بھٹی قلندر اور سرمد نے رباعیات کے گلشن کو سرسبز رکھا۔ فارسی رباعی کا شہرہ آفاق شاعر عمر خیام جس کی رباعیوں کے ترجمے تقریباً دنیا کی ہر پیش رفت زبان میں ہو چکے ہیں اور انگلینڈ کے شاعر فیئر جیرالڈ کے انگریزی ترجمہ نے ان رباعیات کو فنا پذیر شہرت بخشی۔ عمر خیام دور سلجوق کا ممتاز فلاسفر، مورخ، نجومی اور فقی تھا عمر خیام کو اس کی زندگی میں رباعی کو شاعر کی حیثیت سے شہرت نہیں ملی۔ ڈاکٹر علی دشتی نے عمر خیام سے منسوب تقریباً تین ہزار رباعیات کی کاٹ چھانٹ کر کے صرف ایک سو اسی (۱۷۹) رباعیات کو حتمی طور پر خیام سے جوڑا ہے۔ اگرچہ خیام کی بیشتر غزلیہ رباعیات کی شہرت ہے لیکن واصل خیام نے فلسفیانہ اور اخلاقی رباعیات کا بھی ایک اچھا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ فارسی کے عظیم رباعی گو شعرا میں ابو سعید ابوالخیر کا شمار ضروری ہے۔ ابوالخیر صوفی تھے اور عہدِ دہلیدہ کے رباعی گو۔ ان کی رباعیات تصوفی اقدار سے متروہ ہیں اس کے علاوہ انھوں نے عشقیہ، فلسفیانہ اور اخلاقی رباعیات کا عمدہ ذخیرہ جو ایک ہزار رباعیوں سے زیادہ ہے یادگار چھوڑا ہے۔ اسی طرح دوسرے عظیم شاعر فرید الدین عطار نے اپنی شاہکار مثنویوں کے ساتھ ساتھ تقریباً چھ ہزار سے زیادہ رباعیات لکھیں ان کی تصنیف مختار نامہ میں پانچ ہزار سے زیادہ رباعیاں نظر آتی ہیں، جو عموماً مذہبی، اخلاقی، اعتقادی، عشقیہ اور فلسفیانہ مضامین سے لبریز ہیں۔ اگرچہ اس مختصر مقدمہ میں تمام فارسی رباعی گو شعرا کا ذکر ممکن نہیں لیکن نا انصافی ہوگی اگر برصغیر ہند کے نامور صوفی شاعر سرمد کی رباعیات کا ذکر نہ کیا جائے۔ سرمد کا شان ایران سے ہندوستان آئے اور شاہد اور مشہود میں گرفتار ہو کر عشق میں اسیر ہوئے۔ ان کو ایک

ہندو لڑکے سے محبت ہی نہیں بلکہ دارا شکوہ سے خاص اُنس تھا جس کی حسادت نے عالمگیری فرمان سے انھیں پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا۔ سرمد کی اغلب رباعیات صوفیانہ، مذہبی عشقیہ، اخلاقی اور سماجی ہیں۔ ہم سرمد کی ایک تصوفی رباعی پر قاری رباعی کے ذکر کو تمام کر کے اردو رباعی کا دفتر کھولتے ہیں۔

این ہستی موبوم حباب است بہن  
این بحر پر آشوب سراب است بہن  
از دیدہ باطن بہ نظر جلوہ گر است  
عالم ہمہ آئینہ و آب است بہن

اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ متوفی ۱۰۳۰ ہجری اردو کا پہلا رباعی گو شاعر حلیم کیا جاتا ہے جس کے دیوان میں (۳۹) اُنغلیس رباعیاں شامل ہیں۔ دوسرا رباعی گو شاعر جس کی دو رباعیاں ملتی ہیں ملک الشعراء واجبی جس کی تصنیف ”سب رس“ محمد قلی قطب شاہ کے انتقال کے پچیس سال بعد لکھی گئی۔ قطب شاہ کی اکثر رباعیات عشقیہ مضامین سے تھی ہیں۔ ہم اس مقام پر محمد قلی قطب شاہ اور ملا واجبی کی ایک ایک رباعی پیش کرتے ہیں۔

تجھ حسن سے تازہ ہے سدا حسن و جمال  
تجھ یار کی بہتی سے ہے عشق کوں چال  
تو ایک ہے تجھ سا نہیں دو جا کوئی  
کیوں پوے بگت صفہ میں کوئی تیری مثال  
(قلی قطب شاہ)

دنیا کے سو لوگاں ہیں وفا دستائیں  
 دہن دیکھے جفا باز جفا دستائیں  
 بے مہری آدم ہے اس سوں اس کی  
 دل باندے میں کچھ دعا دستائیں  
 (علاؤ تہی)

ارض دکن کے قدیم رباعی گو شعرا میں سراج اور نگ آبادی کے کلیات میں  
 چند رباعیات ملتی ہیں جن میں نو (۹) اردو اور چھ (۶) فارسی میں ہیں۔ سراج  
 کے ہم عصر ولی دکنی جو شاعری کے باوا آدم کے نام سے مشہور ہوئے چھ رباعیوں  
 کے خالق ہیں۔ اردو رباعی کی ابتدا اگرچہ دکن سے ہوئی لیکن رباعی دراصل شمالی  
 ہندوستان میں پروان چڑھی۔ دبستان دہلی نے رباعی کو اپنے آغوش میں لیا اور  
 اسے شاعری کی دوسری اصناف کے ساتھ ساتھ ترقی دی اگرچہ اُس دور میں بھی  
 رباعی گو شاعر کم ہی تھے لیکن اُس دور قدیم کے عظیم شعرا جن میں میر تقی میر، رفیع  
 سودا، خواجہ میر درد، اور میر حسن وغیرہ نے رباعی کو رونق بخشی۔ خواجہ میر درد موتوی  
 ۱۱۹۹ ہجری نے اگرچہ اردو میں صرف تیس (۳۲) رباعیات لکھیں لیکن ان کی  
 فارسی رباعیات کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ خواجہ درد موتوی منش شاعر تھے ان  
 کی رباعیات میں مذہبی، تصوفی، اخلاقی اور فلسفیانہ مضامین کی کثرت ہے۔

اے درد اگرچہ مجھے میں ہے جوش و خروش  
 رچے ہیں ولے اہل تامل خاموش  
 موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں  
 گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

میر تقی میر موتوی ۱۸۰۱ء کی رباعیوں کی تعداد سو سو سے زیادہ نہیں۔ اغلب

رباعیاں عشقیہ اور مذہبی ہیں لیکن خدائے سخن میر کی رباعیوں میں بھی کم و بیش رباعیات کے فلسفیانہ، اخلاقی اور اعتقادی مضامین کی جھلک نظر آتی ہے۔

ہر صبح غلوں میں شام کی ہے ہم نے  
خوں نا پہ کشی دھام کی ہے ہم نے  
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر  
مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

مرزا محمد رفیع سودا متوفی ۱۱۹۵ ہجری نے ایک سو سے زیادہ رباعیات لکھی ہیں چنانچہ ان کے دیوان میں اسی (۸۰) کے قریب رباعیاں ملتی ہیں۔ کچھ رباعیات کیفی چریا کوئی کی ”جواہر سخن“ اور کچھ شیخ چاند کی ”سودا“ میں موجود ہیں۔ یہ رباعیات مذہبی، اعتقادی، عشقیہ، تصوفی کے علاوہ تعلیمی اور جہوں کے مضامین سے بھری ہیں۔

سودا ہے شعر میں بڑائی مجھ کو  
تشریف سخن عرش سے آئی مجھ کو  
عالم تجھے اس فن میں پیسر سمجھا  
پوچھا جہلا نے بخدائی مجھ کو

میر حسن متوفی ۱۲۱۰ ہجری، خدائے سخن میر انیس کے دادا اور عمدہ مثنوی سر البیان کے خالق نے بھی مختلف رائج الوقت موضوعات پر رباعیاں کہیں جن میں تصوفی، عشقی، اخلاقی، مذہبی اور اعتقادی مضامین ملتے ہیں۔

کیا وحش و طیور و انس و جاں عالم میں  
 جو ہیں سو حسن وہ روتے ہیں اس غم میں  
 روشن نہ سمجھ ضریح پر قد ملیں  
 جلتے ہیں یہ دل حسین کے ماتم میں  
 میر سوز متوفی ۱۲۱۳ ہجری نے اپنے دیوان میں چند رباعیات لکھی ہیں۔

واعظ مجھے کعب کی بتاتا ہے راہ  
 کرتا ہے صنم کدہ سے مجھ کو آگاہ  
 میں کب مانوں ہوں ایسے شیطاں کا کہا  
 لاحول ولا قوۃ لا باللہ

میر عبدالحی تاپاں متوفی ۱۲۰۰ ہجری نے چودہ (۱۳) رباعیات، جعفر علی  
 حسرت دہلوی متوفی ۱۲۱۷ ہجری نے (۵۰۰) نظیر اکبر آبادی نے (۲۲)، مصطفیٰ  
 متوفی ۱۲۳۰ ہجری نے (۱۶۵)، سعادت یار خاں رنگین متوفی ۱۲۵۱ ہجری نے کئی سو  
 رباعیات تحریر کیں انھوں نے صرف الہی بخش معروف کی جہو میں (۱۰۱) رباعیاں  
 لکھیں۔

معروف یہ چاہتا ہے کعب جا کر  
 حج کر کے کہلائے حاجی آ کر  
 سن کر یہ مقصد اس کا رنگیں نے کہا  
 بتی چلی حج کو لاکھ چوہے کھا کر

اسی طرح فغان نے (۱۱)، ذوق نے (۱۷)، داغ نے (۳۱)، شاد نے (۹۵)، رشید نے (۹۹) رواں نے (۱۷۵)، محروم نے (۲۲۵)، جرأت نے (۱۲۵)، مومن متوفی ۱۲۶۸ ہجری نے (۱۲۹)، مرزا غالب متوفی ۱۲۸۵ ہجری نے اردو میں (۱۶) فارسی میں (۱۳۰) امام بخش نانچ متوفی ۱۲۵۳ ہجری نے (۶۴)، امداد علی بکر لکھنوی متوفی ۱۳۰۰ ہجری نے (۳۰)، منیر شکوہ آبادی متوفی ۱۲۹۷ ہجری نے (۸۰)، سید محمد خان رند متوفی ۱۲۷۳ ہجری نے (۱۵)، میر وزیر علی صبا متوفی ۱۲۷۱ ہجری نے (۳)، مظفر علی آسیر متوفی ۱۲۹۹ ہجری نے (۱۱)، آغا حسن امانت نے (۲۰)، عشق لکھنوی نے (۱۹۰)، میر انیس لکھنوی نے (۵۷۹)، امیر میثاں متوفی ۱۹۰۰ء نے (۳۱)، الطاف حسین حالی نے (۱۲۵)، قاتی نے (۲۰۰)، فراق نے (۳۵۱)، خواجہ دل نے (۵۰۰) اور مہاراجہ کشن پرشاد نے (۳۵۰)، جوش نے (۸۰۰) باباوا مغموم نے ایک ہزار اور دیر نے (۱۳۲۳) رباعیات لکھیں۔

اردو ادب میں سب سے زیادہ رباعیات شاہ غمگین دہلوی متوفی ۱۲۶۸ ہجری نے لکھی۔ اگرچہ شاہ غمگین نے ان رباعیات کو ظاہر نہیں کیا تھا اور مرزا غالب سے بھی ایک خط میں ان رباعیات کو چھپا رکھنے کا وعدہ لیا تھا لیکن بہر حال وہ مجموعہ رباعیات دریافت ہوا چنانچہ ”مکاشفات الاسرار“ جو رباعیات کا مجموعہ ہے، اس میں اشعارہ سو رباعیات ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً سو رباعیات ان کے غزلوں کے مجموعہ ”مخزن الاسرار“ میں موجود ہیں چنانچہ شاہ غمگین نے اردو میں سب سے زیادہ یعنی سو (۱۹۰۰) رباعیاں لکھی ہیں جن میں متصوفانہ، غریب، عشقیہ



اور اخلاقی مضامین نظم ہوئے ہیں۔

میدانِ رباعی سرزمینِ شعر کا میدانِ جنگ ہے جو اکثر شاعروں کی قتل گاہ ثابت ہوا ہے۔ بحرِ ہزج کے اطراف کی چوبیس (۲۴) گھانٹوں پر پھیلے ہوئے اس سرسبز میدان میں معمولی، کمزور اور بڑے شاعروں کے لاشوں کے ڈھیر تو زیادہ نظر آتے ہی ہیں لیکن اسی میدان میں عظیم فنکاروں کے پاؤں بھی پھلتے نظر آتے ہیں۔ غالب جیسے نامور شاعر اور محتاط استاد فن جنہوں نے اردو میں کُل سولہ (۱۶) رباعیات کہی ہیں اسی میدان میں شوکر کھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی ایک رباعی کا مصرعہ:

ع: ”دلِ رُک رُک کے بند ہو گیا ہے غالب“ ایک سببِ خفیف ”رُک“ کے اضافہ کی وجہ سے رباعی سے خارج ہو گیا۔ اسی طرح علامہ اقبال کی اغلب رباعیاں، رباعی کی بحر میں نہیں ہیں اور ہم ان کو رباعی نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ مولوی سلیمان ندوی کے ادبی فتوے اور ڈاکٹر عندلیب شادانی کی غیر معتبر تفسیر نے انہیں بابا طاہر عریاں کی دو بیتوں کے وزن پر کبھی گنی رباعیوں کا جواز دینے کی ناکام کوشش کی لیکن کوئی خریدار پیدا نہ ہوا کیوں کہ بابا طاہر کی دو بیتوں کو ایرانی ادیب محقق اور شاعر نے رباعی نہیں کہا۔ ہمارے کہنے کا حاصل صرف یہ ہے کہ رباعی صرف بحرِ ہزج کے چوبیس (۲۴) اوزان ہی میں کہی جاسکتی ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ رباعی کے چاروں مصرعوں میں ہر مصرعہ الگ الگ وزن پر ہو لیکن تمام مصرعے انہی چوبیس (۲۴) اوزان میں ہوں گے۔ اسی لیے رباعی کو شاعری کی کفرِ صنف

بھی کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا جھول قابل قبول نہیں۔ رباعی کہنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں اسی لیے تو جوش ملیح آبادی نے برج لال رحنا کے مجموعہ رباعیات ”رحنائیاں“ میں لکھا۔ ”رباعی ایسی کجخت چیز ہے جو چالیس پچاس برس کی مطاقی کے بعد کہیں جا کر قابو میں آتی ہے۔ مسلم ہے کہ رباعی لکھنے کے لیے کافی مشقِ سخن اور پختگی عمر کی ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر شاعر کی زندگی میں رباعی نویسی کا دور آخر میں ہوتا ہے۔“

خالق اور مخلوق کے اُن گنت فرقوں میں ایک فرق نقص اور کمال بھی ہے۔ خالق کامل اور مخلوق ناقص ہوتی ہے۔ اردو ادب کے کئی عظیم شعرا صرف ایک دو درجن رباعیات کہہ کر خاموش ہو گئے اور اس سنگلاخ زمین میں ان سے مزید چلا نہ گیا۔ شاید علمائے ادب نے اسی لیے میر انیس اور مرزا دبیر کو کھدائے سخن کا خطاب دیا کہ میر انیس نے (۵۷۹) اور مرزا دبیر نے (۱۳۲۳) رباعیات کہیں جو آج ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان میں کوئی قافی نقص تو دور کی بات ٹھہری نقص مضمون کا بھی جھول نہیں۔

چند سال قبل راقم نے مرزا دبیر کی رباعیات کو ایک مفصل مقدمہ اور مکمل تقسیم بندی کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان میں شائع کیا جو موردِ پسند علمائے شعرو ادب قرار پایا۔

علامہ شبلی نعمانی نے موازنہ انیس و دبیر میں رباعیات کے زیر عنوان میر انیس کی تیرہ (13) رباعیات پیش کی ہیں۔ اس حصہ میں دبیر کی کوئی رباعی موجود نہیں۔ شبلی نعمانی

نے یہ رباعیات نوکلشور لکھنؤ سے شائع شدہ انیس کی کتب مرآئی سے حاصل کی ہوں گی یا رباعیات انیس دیرِ مونس وغیرہ کا مجموعہ رباعیات جس میں (960) رباعیات ہیں جو 1901 میں یوسنی پریس دہلی سے شائع ہوا تھا حاصل کی ہوں گی۔ چونکہ انیس کی رباعیات کا پہلا مجموعہ موازنہ کی اشاعت کے بعد 1909 میں حیدر آباد دکن سے سید محمد حسن بنگرامی نے صرف دو صفحے کے دیباچہ کے ساتھ شائع کیا تھا جس میں ایک سو پینتالیس (145) رباعیات ہیں۔ علامہ علی نے بہت ہی مختصر انیس کی رباعیات پر اظہار خیال کیا جو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

”صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے موزوں چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سحابی، سلطان، ابو سعید، ابوالخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، انھوں نے رباعی کے سوا تمام عمر میں اور کچھ نہ لکھا۔

اردو شاعری میں چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے اس لیے رباعیاں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ سودا نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیاں لکھیں، لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہیں۔

میر انیس کی رباعیوں کا ایک بڑا دفتر ہے اور ہر رباعی میں کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے بعض ایسی بھی ہیں جن میں صرف مضمون بندی یا کوئی صنعت ہے۔“  
یہ میر انیس کے کلام کی تاثیر ہے کہ ان چند رباعیات کے بعض شعرا اور مصرعے ضرب المثل یا مقولوں کی شکل میں مشہور ہوئے۔

- ع . کانٹوں کو ہٹا کے پھول پھن لیتا ہوں
- ع . جو ظرف کے خالی ہے صدا دیتا ہے
- ع . دندان صفت بست ہیں زباں کے آگے
- ع . دامن میں ہوا کے بجز خاک نہیں
- ع . مجھ سا بھی یہ بخت کوئی سو میں نہیں
- ع . جو بد ہیں وہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں
- ع . جس طرح چراغ آگے ٹاپتا ہے
- ع . نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے
- ع . اس ہاتھ کو اُس ہاتھ کا محتاج نہ کر
- ع . کہتی ہے کہیں شکر کے شیریں ہوں میں
- ع . خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے
- ع . ہو گوشِ نقیس مردم دیدہ کی طرح
- ع . خالق کو پسند بجز د مسکینی ہے
- ع . جس دقت گزر جائے گا پانی سر سے
- ع . ہر راہ اگر گئے تو اعمال گئے
- ع . ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے
- ع . کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا
- ع . گردش میں فلک کا بھی ستارہ دیکھا
- ع . ہے بحر کا کوزے میں سانا مشکل

ع عادت برسنے کی گرجنے کی نہیں  
 ع انصاف فلک! تیری قلم رو میں نہیں  
 ع کتنا ہے حقیق تب نگیں ہوتا ہے  
 ع مرقہ بھی عجب گوشے تنہائی ہے

میر انیس جتنی توجہ مرعے پر دیتے تھے اتنا وقت اور وقت سلام اور رباعیات پر صرف نہیں کرتے تھے۔ کئی رباعیات تو مجلس اور محافل میں انیس نے فی البدیہہ کہی تھیں۔ میر انیس کی پختہ عمر کی رباعیوں میں اس درجہ سلاست و لطف کی کمال اور اخلاقی اقدار ہیں کہ وہ ضرب المثل بن چکی ہیں اور کئی رباعیوں کے مصراع زبان زد عام ہو گئے ہیں۔ شاید اسی لیے میر انیس نے کہا تھا:

گھٹی عمر مشق سخن بڑھ گئی بڑھاپے نے ہم کو جواں کر دیا

رباعی میں جذبات سے زیادہ تجربات کا عمل دخل ہوتا ہے اسی لیے رباعی فکر و فکر کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ چنانچہ جذباتی اشعار کی طرح اس کا اثر تند و تیز اور کوتاہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی تاثیر سانچے کو نکلنے کی آگ کی طرح دھیمی مگر دراز مدت تک ذہن کو گرماتی اور روشن کرتی ہے اور پھر مشکل ہی سے ذہن سے نکلتی ہے شاید اسی لیے نظموں میں رباعی سب سے زیادہ حافظے میں محفوظ رہتی ہے۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثی سلام اور رباعیات میں ایسے مقامات بھی نظر آتے ہیں جو بلا ارادہ تو ارد کی صف میں شمار کیے جاتے ہیں یا ان کو ایک دوسرے کا جواب یا جواب الجواب کہا جاسکتا ہے۔ رباعیات حمید المضمون ہونے کی وجہ سے انیس اور

دیر کی رباعیوں میں کچھ مرتبین کو دھوکا ہوا، جب کہ دونوں اساتذہ نے ایک ہی مضمون پر رباعیات کہی تھیں۔ بہر حال ہم نے حسن یوسف کو بازار مصر میں پیش نہیں کیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میرا انیس اور مرزا دیر کا کلام پیش کر کے یہ بتایا جاتا کہ یہ دونوں عظیم شاعر آپ اپنی مثال ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مرزا دیر کے کلام میں انیس کے کلام کا رنگ نظر آتا ہے لیکن اس کے برعکس میرا انیس کے کلام میں دیر کے کلام کی چھاپ نہیں اس لیے ہمیں دیر کے کلام کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے۔ انیس اور دیر کے صرف سلاموں اور مرثیوں میں مضامین کا ٹکراؤ نہیں بلکہ ان دونوں عظیم شاعروں کی رباعیات میں بھی مضامین کی تکرار نظر آتی ہے۔ ہم اس موقع پر میرا انیس اور مرزا دیر کی چند رباعیوں کو مقابل کے طور پر پیش کرتے ہیں:

میرا انیس                      مرزا دیر

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ      دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا  
جو اوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ      کس کس کا نہ یاں ہم نے زمانا دیکھا  
قرآن لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے      برسوں رہا جن کے سر پر چتر ذریں  
اک سورۃ الحمد کے محتاج ہیں وہ      تربت پہ ان کی شامیانہ دیکھا

مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے      گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو  
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے      ڈھانپا جو کفن سے منہ دکھایا تجھ کو  
کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوئیں اے قبر      اے قبر کہاں کہاں نہ کی تیری تلاش  
میں نے بھی جان دے کے پایا ہے تجھے      جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو

آغوشِ لہ میں جب کہ سونا ہوگا اک دن چونکہ خاک ہونا ہوگا  
 جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا تنہا تنہا لہ میں سونا ہوگا  
 تنہائی میں آہ کون ہوئے گا انیس اس قبر کے پردے کا کھلا حال دیر  
 ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا جو اڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا

راحت کا مزہ عددے جانی نکلا کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا  
 دل سے نہ کبھی غم نہانی نکلا باقی سامانِ عیش فانی نکلا  
 پیاسے رہے آکے چاہ دنیا پہ انیس چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں دنیا سے دیر  
 نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا اتنا بھی نہ اس شگفتوں میں پانی نکلا

رجہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے گنجینہ جسے رب ہدا دیتا ہے  
 وہ دل میں فروتنی کو جاہ دیتا ہے وہ دلوں عطیہ خدا دیتا ہے  
 کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی خاموش حبابوں کے ہیں ظرف خالی  
 جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے دریا میں ہیں موتی وہ صدا دیتا ہے

گلابائے مضامین کو کہاں بند کروں شیرانِ مضامین کو کہاں بند کروں  
 خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں گونجیں گے ذکاویں گے جہاں بند کروں  
 میں باعثِ نقدِ سخی بلبل ہوں خلاقِ مضامین تو سبھی ہیں لیکن  
 کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں کھل جائے حقیقت جو زباں بند کروں

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا کس عہد میں تہذیب نہیں دور ہوا  
کیوں چرخ کہن نیا یہ کیا دور ہوا کہ عدل گئے ظلم گئے جور ہوا  
گردش کب تک نکل چلو جلد انیس اللہ دی ہے تو نہ مضطر ہو دیر  
اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا کیا غم جو زمیں اور فلک اور ہوا

بجس میں عجب بہار چشم تر ہے اہلک غم شیرِ ذر یکتا ہے  
ہر لختِ جگر رشکِ گلِ امر ہے ہر دیدہ حق میں سے یہ در پیدا ہے  
اشکوں سے ہو کیوں نہ آہر و آنکھوں کی بے اہلک عزا آہرے چشم ہے خاک  
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے پانی نہ ہو جس میں وہ کنواں اندھا ہے

کس منہ سے کہوں لائقِ تحسین ہوں میں شیریں خلی پہ موردِ تحسین ہوں  
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں واللہ نہ عیب میں نہ نکتہ چیں ہوں  
ہوتی ہے طراوتِ سخن خود ظاہر سکتے میں ہے میرے سخن شیریں سے  
کتنی ہے کبھی شکر کے شیریں ہوں میں ہے شکر کا کیا منہ جو کہے شیریں ہوں

احسان نہیں گر بزمِ عزا میں آئے احسان نہیں گر بزمِ عزا میں آئے  
آئے تو پناہِ مصطفیٰ میں آئے آئے تو پناہِ مصطفیٰ میں آئے  
اس بزم میں آئے جو مہبان علی گرمی ہی کے دن تھے کہ تمہاری خاطر  
راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے شیرِ وطن سے کربلا میں آئے



غم ہے ہمیں لیکن انہیں خوشحالی ہے      روئے یہ غم بادشتہ عالی ہے  
 پاس اُس کے ہیں کونین کا جو دالی ہے      اور مرگ کسی نے بھی نہیں ٹالی ہے  
 اس عشرہ میں تھے شریک مجلس جو لوگ      اللہ کرے غریقِ رحمت سب کو  
 اس سال انہیں کی بس جگہ خالی ہے      اس بزم میں کس کس کی جگہ خالی ہے

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے      ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز  
 کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے      پر آخر عزادار شہ دیں ہے آواز  
 یہ ہے غمِ شہر کی تاثیر انہیں      نکلے نہ اگر کج لہ سے تو بجا  
 آوازِ خلق سوگ نشیں ہوتی ہے      ماتم کے ہیں دن سوگ نشیں ہے آواز

داغِ غم شہِ سینے میں گلِ بوئے ہیں      مجلس میں گلِ اشکِ عزالونے ہیں  
 کیا کیا گنہرِ ہیش بہا ٹوٹے ہیں      ثابت ہے دلا شیشہ دل ٹوٹے ہیں  
 مجلس میں ریا سے جو کہد تے ہیں انہیں      یاں اشکِ ریائی کا بھی ہے مولِ بہت  
 اشکِ ان کے بھی موتی ہیں مگر جمونے ہیں      موتی سچے ہیں جو ہری جمونے ہیں

پیری سے بدن زار ہوا زاری کر      اب نامِ خدا زبان پہ جاری کر  
 دنیا سے انہیں اب تو بیزاری کر      غافلِ دمِ آخری تو ہشیاری کر  
 کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سفید      بالوں کی سیاحی پہ سفیدی آئی  
 ہے صبحِ اجل کوچ کی تیاری کر      لے صبح ہوئی کوچ کی تیاری کر

گلشن میں صبا کو جیتو تیری ہے پردانہ کو دھن شمع کی لو تیری ہے  
 بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے عالم میں ہر اک کو تنگ و دو تیری ہے  
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا مصباح و نجوم و آفتاب و مہتاب  
 جس پھول کو سونگتا ہوں بو تیری ہے جس نور کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے قطرے کو گہر کی آبرو دیتا ہے  
 بندے کو بغیر جیتو دیتا ہے قد سرد کو گل کو رنگ و بو دیتا ہے  
 انساں کو رزق گل کو بو سنگ کو لعل بے کار تصنع ہے تشخص بے سود  
 جو کچھ دیتا ہے جس کو تو دیتا ہے عزت دی عزت ہے جو تو دیتا ہے

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں خاصہ بھی مری طرح سید کار نہیں  
 جز تیرا کرم کچھ اور درکار نہیں یہ مشق گنہ کسی کو زہار نہیں  
 مجھ سا نہیں عالم میں گنہگار اگر مگر خوف برامری نہو صاف کہوں  
 تجھ سا بھی تو اور کوئی غفار نہیں مجھ سا عاصی خدا سا غفار نہیں

حاصل جو شہ دیں کی حضوری ہو جائے حاصل جو آقا کی حضوری ہو جائے  
 لاکھوں منزل ستر سے دوری ہو جائے عصیاں کی تیرگی سے دوری ہو جائے  
 قدی کہتے ہیں کہ بلا ہے وہ بہشت اے صن علی مجلس پر نور حسین  
 ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے ناری بھی یہاں آئے تو نوری ہو جائے

جو روضہ شادہ کر بلا تک پیونچے جو روضہ شادہ کر بلا تک پیونچا  
 بے شبہ و شک وہ کر بلا تک پیونچے معراج ہوئی عرش غلا تک پیونچا  
 اللہ رے عز و شان زوآر حسین کیا قرب ہے اللہ کا اللہ اللہ  
 پیونچے جو حسین تک خدا تک پیونچے پیونچا جو حسین تک خدا تک پیونچا

درد و الم ممت کیوں کر گزرے برزخ کی سہولت کئے گی کیوں کر  
 یہ چند نفس حیات کیوں کر گزرے تنہائی میں اوقات کئے گی کیوں کر  
 چری کی بھی دوپہر دھلی شکر انیس غفلت میں دیر صبح چری ہوئی شام  
 اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے دن رات ہوا رات کئے گی کیوں کر

دل کو مرے شغل غم عساری کا ہے بندوں پہ کرم حضرت باری کا ہے  
 غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے مقدور کئے شکر گزاری کا ہے  
 گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غزوہ دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھ کو  
 ہم کو بھی غرور خاکساری کا ہے شمرہ یہ نہال خاکساری کا ہے  
 میر انیس کی رباعیات تہی تھیں اور کتنی ضائع ہو گئیں یا دوسروں کے نام

منسوب ہو گئیں اہل کی صحیح تعداد معلوم کرنا آج کے محقق کے لئے تقریباً ناممکن  
 ہے۔ ہم نے دیوان رباعیات انیس میں (579) رباعیات جمع کی ہے اور تعداد  
 کے لحاظ سے یہ پہلا مجموعہ رباعیات ہے جس میں سب سے زیادہ رباعیاں شامل  
 ہیں۔ رباعیات انیس مرتبہ علی جوہر زیدی میں اگرچہ تعداد (583) ہے لیکن اس

میں بعض قطععات اور بعض رباعیاں دیر اور موثر سے منسوب ہیں۔ ہم یہاں رباعیات انیس کے سن طباعت کو پیش نظر رکھ کر مجموعوں کی فہرست رقم کرتے ہیں۔

نمبر	کتاب کا نام	مصنف مراد	سن طباعت	موضوع	تعداد
1-	مرثیہ انیس (مجموعہ)	—	1885	ڈاکٹر راجندر	تقریباً چار سو رباعیات
2-	مجموعہ رباعیات	سید محمد حسین	1901	عربی و فارسی - دہلی	
3	رباعیات انیس	سید محمد حسن نگرانی	1909	قصیدہ	(145) رباعیات ہیں
	(1000 اشعار کا مجموعہ)				
4-	انیس مرثیوں	سید محمد حسن	1939	قصیدہ	(95) رباعیات ہیں
5-	رباعیات انیس	سید محمد حسن	1947	قصیدہ	(514) رباعیات ہیں
6-	مرثیہ انیس	—	1924	کلاسیک فارسی	(98) رباعیات ہیں
				فارسی	
7-	رباعیات انیس	میر محمد حسین		کلاسیک فارسی و قصیدہ	(192) رباعیات ہیں
8-	مرثیہ انیس	گوفین	1956	اردو	(282) رباعیات ہیں
9-	مرثیہ انیس	—	1958	ڈاکٹر راجندر	(278) رباعیات ہیں
10-	مرثیہ انیس	—	1961	پروفیسر آغا علی	(36) رباعیات ہیں
11-	مرثیہ انیس	—	1967	نادر علی دہلوی	(113) رباعیات ہیں
12-	رباعیات انیس	محمد محمد زیدی	1984	پروفیسر محمد علی	(578) رباعیات ہیں
13-	رباعیات انیس	سید محمد علی	2012	ڈاکٹر راجندر - دہلی	(579) رباعیات ہیں

رباعیات کی ان کتابوں اور مجموعوں کے علاوہ میر انیس کی رباعیات مختلف رسالوں، انیس نمبروں اور مضامین میں کم و بیش شائع ہوتی رہی ہے۔ تقسیم ہندوستان سے قبل انیس کی رباعیات اسکولوں اور کالجوں کے اردو نصاب میں موجود تھیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مرتبین نصاب نے انیس کی رباعیات سے اجتناب کر کے اردو ادب و تہذیب پر ظلم اور اردو شعریت پر بھرمانہ رویہ روا رکھا ہے۔

میر انیس کی رباعیات کا پہلا جامع مجموعہ سید محمد عباس لکھنوی نے "مجموعہ رباعیات" میر انیس کے نام سے اگست 1947ء میں شائع کیا جس میں پانچ سو چودہ (514) رباعیات موجود ہیں۔ سب سے پہلے میر انیس کی کچھ رباعیاں مرثیہ انیس کی جلدوں میں طبع ہو چکی ہیں اس کے بعد "مجموعہ رباعیات خاندان انیس" کو اثنا عشری پریس لکھنؤ نے شائع کیا۔ سید محمد حسن بلگرامی نے "رباعیات انیس" کے نام سے 1909ء میں حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ میر انیس کی اخلاقی رباعیات کو "انیس الاخلاق" کے نام سے 1938ء میں شائع کیا گیا۔ علی جواد زیدی نے 1985ء میں (583) رباعیات جن میں کچھ قطعات بھی شامل ہیں ایک بسیط مقدمہ کے ساتھ دہلی سے شائع کیا۔

سید محمد عباس نے انیس کی رباعیات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مزید خانوں میں جگہ دی (1) مذہبی رباعیات جن میں حمد، مناجات، نعت، منقبت، رجزی اور اعتقادی مضامین۔ (2) اخلاقی رباعیات میں وعظ و چہد، اخلاق حسنة کی ترغیب اور اعمال بد سے اجتناب کی ضرورت کو پیش کیا گیا ہے۔

(3) ذاتی رباعیوں میں میر انیس کے حسب نسب، فن، شخصیت، تعلیٰ وغیرہ پر مضامین ملتے ہیں۔

میر انیس کے نواسے میر عارف کے فرزند سید یوسف حسین نے قلمی خاندانی مستند نسخوں سے مطبوعہ رباعیات میں جو اغلاط نکلیں ان سے اس دیوان میں استفادہ کیا۔ خود موصوف لکھتے ہیں کہ مرثیٰ انیس مطبوعہ نولکھنور پریس کی ایک جلد اول میں (81) رباعیات ہیں جن میں سے (19) رباعیاں غلط ہیں۔ ہم یہاں صونے کے طور پر چند غلط مصرع اور اس کے مقابل صحیح مصرع درج کرتے ہیں جو مستند ہیں:

### صحیح اور مستند مصرع

### غلط مصرع

ع: بے زاو سز کوچ کی تیاری ہے	ع: لے زاو سز کوچ کی تیاری ہے
ع: یہ قبر کی منزل بھی عیب بھاری ہے	ع: یہ قبر کی منزل بھی غصب بھاری ہے
ع: مرقد میں انیس نے کفن میں ہوگا	ع: مرقد میں انیس نے کفن میں ہوگا
ع: چل کے گلزار کربا میں دھونڈیں	ع: صلاب گلزار کربا میں دھونڈیں
ع: احباب لہ تلک نے پہنچائیں گے	ع: احباب لہ تلک تو پہنچائیں گے
ع: جو بند کیا نذر حیدر کے لیے	ع: جو بند کیا وہ نذر حیدر کے لیے
ع: سینے میں یہ دم مثل سحر گاتی ہے	ع: سینے میں یہ دم شمع سحر گاتی ہے
ع: اور صاحب چشم دگوش ہو جاتا ہے	ع: سر تا پا چشم دگوش ہو جاتا ہے
ع: یوں لخت جگر چشم سے نکلیں دایم	ع: یوں لخت جگر چشم سے نکلیں پیچم
ع: کعبے نے شرف طم کے در سے پایا	ع: کعبے نے شرف طم کے در سے پایا

ع: فاطمہ آپ کی ہیں مجلس میں ع: فاطمہ آچکی ہیں مجلس میں  
 ع: کچھ غم نہیں باریک ہے گورو صراط ع: کچھ غم نہیں باریک ہے گورو صراط  
 مصرعوں میں خفیف سی تہ لیلی سے شعر کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اسی لیے جب  
 محمد حسین آزاد نے استاد ذوق کا شعر میرا نہیں کے سامنے غلط پڑھا تو میرا نہیں نے  
 تصحیح کر کے کہا تھا بڑا شاعر ہر چھوٹے لفظ کو بھی صحیح مقام پر رکھ کر بڑا بنا دیتا ہے۔  
 انہیں کی چند رباعیوں کے دوسری زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے اور پسند کئے  
 گئے۔ فارسی میں ڈاکٹر امیر عباس حیدری استاد کیمبرج یونیورسٹی، انگریزی میں امیر  
 امام حشاکر علی جعفری اور غلام عباس صاحب نے عمدہ تراجم کیے ہیں۔ یہاں بطور  
 نمونہ چند رباعیات ترجمے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری  
 افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری  
 جنت انعام کر کہ دوزخ میں ملا  
 وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

The love (for humanity) exceeds parental love,

Thy beneficence exceeds thy wrath

Grant me paradise or burn me in hell (whatever the thy will)

(For) the former would be mercy the latter justice (Imam  
 Hur)

منی سے بنا ہے دل کو تو سنگ نہ کر  
 ہر بات پہ معترض نہ ہو جنگ نہ کر  
 منظور اگر ہے جا دلوں میں اے دوست  
 بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

You are created from clay, don't turn your heart into stone:  
 Do not find fault in every thing Fight not  
 Oh friend! if you'd have a place in other hearts  
 Then better not hurt even your enemy. (Imam Hur)

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے  
 ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے

The childhood and the youth, at a wink they flew  
 And there at last the Bubble burst and blew.

جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا  
 جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے  
 (شاکر جعفری)

The sightless eyes then visualized too well  
 The dream deceitful and the awakening true.

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں  
 حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں  
 (شاکر جعفری)

In flowers I stroll or stare at wilderness  
 Or look at rocks, and sands and seas riches.



ہر چا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے  
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں  
(شاکر جعفری)

A myriad sight to speak that Beauty of,  
And me but a pair of eyes to possess.

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے  
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے  
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا  
جس پھول کو سوگت ہوں بو تیری ہے

In an orchard the wind blows but for Thee.  
The music of nighringale flows but for Thee.  
Each object mirrors Thy Majesty and Magnificence.  
Each flower I smell mellows but for Thee.

(Ghulam Abbas)

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے  
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے  
گرتے ہیں تمہی مغر ثنا آپ اپنی  
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

It's God who exalts, whomever He wishes.  
Self-effacing is the man, humility he practises.  
Swaggering suits only to the brainless being  
As to an empty vessel, noise pleases.

(Ghulam Abbas)

بادِ سحر آشفہ ترا می جوید! گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے  
 بلبل بہ چمن وصف ترا می گوید بلبل کی زبان یہ گفتگو تیری ہے  
 ہر رنگ کہ ہست جلوہ قدرت تست ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا  
 ہر کس کہ گلی چید ترا می بوید جس پھول کو سونگتا ہوں بو تیری ہے  
 (استاد حیدری)

گر خوی تو نیک است ترہا کی نیست ہموار ہے گر تو کچھ تجھے پاک نہیں  
 سرکش اگر بہر زا ادرا کی نیست سرکش ہے گر تو عقل و ادراک نہیں  
 جز نعم بنود نصیب آتھو را پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا  
 در دامن کرو باد جز خاکی نیست دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں  
 (استاد حیدری)

یہ سچ ہے کہ اردو رباعی پر تخلیقی رجحان کی سپردگی اور تنقید فکر کی ہم آہنگی  
 نسبتاً دوسری اصناف شاعری کے کم ہوئی۔ جوش جو خود ایک عمدہ قادر الکلام رباعی  
 گو ہیں اس چار مصرعوں کی نظم کو پختہ کلامی کی سند کہتے ہیں۔ جوش نے رباعی  
 کے بے شمار موضوعات کو شاعر کے پختہ تجربات، رسیدہ فکر، استادانہ اختصار اور  
 حکیمانہ گفتار کی خوبصورت آمیزش کا نتیجہ قرار دے کر رباعی کو آفاقیت کا رنگ دیا  
 ہے جو رباعی کی تخلیقی سرگزشت کا صحیح جائزہ ہے۔ مولانا روم نے کہا تھا کہ میری  
 زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ میں کچا تھا پک گیا اور پھر سوز و گداز  
 میں مل ہو گیا۔

حاصلِ حرم سرخن بیش نیست خام بودم پختہ شدم سوختم  
 شاید اسی لیے مولانا روم کی رباعیات میں آخری پختہ عمر کی استادانہ اور حکیمانہ  
 گفتار کا رنگ ہے۔ رباعی شاعری کی وہ صنف ہے جو قلیل الفاظ ہوتے  
 ہوئے بھی کثیر المعانی ہوتی ہے۔ شاعر رباعی کے چاروں مصرعوں میں خیال کو  
 رد وں دے کرتے ہوئے اس کی عکاسی اور رنگینی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ  
 سامع نتیجے سے بالکل بے خبر رہتا ہے لیکن جب وہ چوتھے مصرع میں برجستگی  
 نفسی اور شدت کے ساتھ خیال کا اظہار کرتا ہے تو سننے والا متحیر اور حائر  
 ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے تو صاحبِ تحریر نے رباعی کے چوتھے مصرعے کی  
 قدر و منزلت اور اس کے حسن شعری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

رباعی صیغہ آخری زند ناخن پہ دل

نقطہ پختہ لب پہ چشم ماز ابد خوش تراست

یعنی رباعی کا چوتھا مصرعہ دلکش اور دل موہ لینے والا ہوتا ہے اور ہماری نگاہ میں  
 مونچھیں ابرو سے حسین ہوتی ہیں۔

فارسی کی طرح اردو رباعی کا ذخیرہ دوسری اصنافِ سخن کے مقابلے میں  
 بہت کم ہے۔ یہ مشکل صنف اس لیے بھی ہے کہ اس میں ایجاز بیانی، لکری گہرائی،  
 فائزہ و رحمت کی گیرائی بھی شامل ہے۔ چنانچہ فارسی ہو کہ اردو رباعی میں صرف و  
 ہی شعرا کا سیلاب اور اچھے رباعی گو شاعر مانے گئے ہیں جن کو حکمت کے ساتھ ساتھ  
 شعر پر بھی کامل قدرت حاصل تھی۔ یہ اور بات ہے کہ غزل گو شعرا کے پاس غزل

موجود تھی اور غزل میں مطلع اور بعض اوقات قطعہ بند یا تسلسل رباعی کے فنی کام کی کسی حد تک تکمیل کر دیتا تھا۔ اس کے برخلاف مرثیہ ایک تفصیلی فن تھا جس میں سامعین کو ذہنی اعتبار سے تیار کرنا ضروری تھا اور اس صنفِ سخن جس کی ساخت میں ایجاز و اختصار اور جس کے موضوعات میں اخلاقیات، عرفانیات، وجدانیات اور فلسفہ و حکمت کی واردات کی ختم نہ ہونے والی فہرست تھی۔ مرثیہ سے پہلے وہی کام دیتی تھی جو ایک زور دار مطلع غزل کے آغاز میں اسی لیے اردو رباعی گوؤں کی فہرست میں مرثیہ نگاروں کے نام سرفہرست رہے اور مرثیہ نگاروں کی طرح رباعیوں کو آج تک اردو کا کوئی غیر مرثیہ گو شاعر پیش نہ کر سکا۔ مولوی امداد امام اثر نے ”کاشف الحقائق“ میں بہت حقیقت اور حق کی بات کہی ہے کہ ”انہیں اور دیر یہ دو بزرگوار رباعی نگاری کے اعتبار سے بھی بہت قابلِ قدر ہیں بلکہ اردو شعرا میں یہی حضرات ہیں جنہوں نے رباعی نگاری کی شرم رکھ لی۔“

انہیں نے بڑی خوبصورت حمد یہ رباعیات کہہ کر معرفت کے دفتر کھول دیے ہیں۔ انہی حمد یہ رباعیوں میں تصوف کی جھلک، من جاتی انداز، بندگی کی بے بسی کوتاہی، گاہے حیرانی، گاہے پشیمانی غرض گونا گوں مجز و انحصار کے ساتھ ساتھ شانِ کربھی اور عظمتِ ذوالجلال کا اقرار مصرعوں سے ہوتا ہے۔

ع ممکن نہیں مبد سے مبادت تیری

کہیں ”ہم دوست“ کی نقد سرائی کرتے ہیں۔

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے  
بلبل کی زباں پر گفتگو تیری ہے  
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا  
جس پھول کو سوگنتا ہوں بو تیری ہے

اور کہیں جلوہ کردگار اور ہرست اور ہر شے میں اس کی جلوہ گری دیکھ کر کہتے  
ہیں کہ میں ان دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں، یعنی وہ لوگ اندھے ہیں جو جلوہ خداوندی  
جو ہر خشک و تر میں موجود ہے چشم معرفت سے دیکھ نہیں پاتے۔

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں  
یا معدن کوہ و دشت و دریا دیکھوں  
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے  
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

انیس لفظوں کا بادشاہ ہے۔ گلشن کی رعایت سے صبا، بلبل، رنگ، پھول اور  
بو کی خوشبو کچھ اس طرح سے مصرعوں میں لپٹی ہوئی ہے کہ پڑھنے یا سننے والا بغیر حظ  
کے نہیں رہ سکتا، یہاں مراعاتِ النظر بطور صنعت گری نہیں بلکہ کمال فن کی معجز بیانی کا  
نتیجہ ہے۔ پہلے کے تین مصرعوں میں مضمون کو ارتقا دے کر شاعر نے چوتھے مصرعہ کو  
آسمان پر پہنچا دیا اور فلسفہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود یعنی ہمہ اوست اور ہمہ  
ازاوست کا دفتر کھول دیا۔ دوسری رباعی کے پہلے دو مصرعوں میں کائنات کے تمام  
مظاہر جن کا تعلق نظریا قوت باصرہ سے ہے جمع کر کے انسان کی محدود حیاتی اور عمر کی  
اُن کی حقیقت بین السطور اور بین اللفظ بیان کر کے رب العالمین کی توصیف اور

شکاسائی کی ہے۔ اس رباعی کے چوتھے مصرعہ سے اکابرین نے منقول یا ضرب المثل کے طور پر استفادہ کیا ہے۔

میر انیس نے تصوف اور واقعہ کر بلا کو برائے شعر گفتن کے طور پر نہیں برتا بلکہ اہم مظلوم کی سیرت ان کے کردار اور انسانی اقدار کو اپنی شخصیت کا جزو بنالیا اور یہ وہی جو ہر تھا جس کی وجہ سے انیس کے اشعار سے صداقت کی روشنی پھیلتی نظر آتی ہے اور ایسی سعادت بہت کم شاعروں کو نصیب ہوتی ہے۔ میر انیس عرفان کے اعلیٰ درجوں پر فائز تھے وہ درویش و قلندر صفت تھے وہ کھل کر دنیا داری، ریا کاری اور درباری لغزشوں کے خلاف پیام دیتے جو برہنہ شمشیر کی طرح روشن اور تیز ہوتا ہے ان کے مخاطب عوام اور خواص دونوں ہوتے ہیں اور خطیب و مخاطب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں رہتا۔

جس شخص کو عجبی کی طلب گاری ہے  
دنیا سے ہمیشہ اسے ہزاری ہے  
اک چشم میں کس طرح سائیں دونوں  
غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

آفاق میں مرنے کے لیے جینا ہے  
اس زیت پہ کیا حسد ہے، کیا کینا ہے  
جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ  
احوال سکندر کا تو آئینہ ہے

دنیا کی بے ثباتی جہاں زندگی کی تکمیل موت اور پھر ایسی زندگی کے لیے جنگ و دو، حسد و خوں ریزی کرنا سب نقصان کی چیزیں ہیں۔ دنیا عبرت کا مقام ہے یہاں ہر شے کو فنا ہے یہاں میرا نہیں نے تلمیحات سے مضمون کو رفعت دی ہے جو ان کے کلام کی عظمت اور قادر الکلامی کی دلیل ہے جام جم، شکوہ دارا اور آئینہ سکندر کا آخری دو مصرعوں میں برتا جاتا ہے کہ میرا نہیں داستانوں کو الفاظ کے سینوں میں بند کر دیتے ہیں اور یہ ان کا کمال ہے کہ رباعی کے چار مصرعوں میں چار سمت کی وسعت سما جاتی ہے۔ آخری مصرعہ میں آئینہ کو بطور ایہام رکھ کر تلخ یعنی آئینہ سکندر اور تشریح یعنی معنی آفرینی بھی کی ہے۔

ہے کون جو رنج مرگ سہنے کا نہیں  
احوال یہ گوگو ہے، کہنے کا نہیں  
آباد کوچ رہ جہاں میں غافل  
بھیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا  
مشکل آتا اس انجمن میں ہوگا  
نازاں نہ ہو، رختِ نو چین کر غافل  
اک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں  
 وہ نئے فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں  
 لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے  
 آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

وہ تختِ کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ  
 جو اوج پہ تھے زبرِ زمیں آج ہیں وہ  
 قرآن لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے  
 اک سورۃ الحمد کے محتاج ہیں وہ

میر انیس کی درجنوں اخلاقی رباعیات میں عارضی حیات اور مستقل ممات کی تاکید ہے کہ یہ زندگی آنی فانی ہے اور دنیا مسافر خانہ ہے جہاں سے سفر کرنا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی پر جتنی عہدہ اور پُراثر میر انیس کی رباعیاں ہیں شاید ہی کسی اور اردو شاعر کے دیوان میں ہوں۔

گر لاکھ برس جیسے تو پھر مرنا ہے  
 چنانچہ عمر ایک دن بھرنا ہے  
 ہاں تو شے آخرت مہیا کر لے  
 غافل تھے دنیا سے سفر کرنا ہے



دل میں خم یارانِ وطن لے کے چلے  
اس باغ سے دانوں کا چمن لے کے چلے  
نقصاں کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل، آہ  
جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

پروفیسر یوسف جمال انصاری "رباعیات انیس" میں لکھتے ہیں۔ "انیس کی بہت سی رباعیات حمد و نعت و منقبت میں ہیں۔ علی الخصوص امیر المومنین حضرت علی کی شان میں ایسی ایسی رباعیات موجود ہیں جن کا جواب نہیں۔ رباعی کہنے کا حق انیس اور دبیر نے ادا کر دیا۔ عموماً ہر رباعی بلند پایہ اور قابلِ تعریف ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ایک خاصی تعداد ایسی رباعیات کی موجود ہے جن کو صحیح معنی میں لا جواب قرار دیا جاسکتا ہے۔ دبیر کی رباعی ہے:

مولود جو داں حکمِ قدر سے پایا      کعبہ نے شرفِ علی کے در سے پایا  
گودی میں نئی لیے یہ کہتے نکلے      لوہم نے وہی خدا کے گھر سے پایا

اول تو جو بات اس رباعی میں نظم کی گئی ہے وہ اپنی جگہ بلند و ارفع ہے۔ لیکن جس طرح خیال کو نظم کی لڑیوں میں پرویا گیا ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اشارہ ایک تاریخی حقیقت کی طرف منظور تھا کہ جناب علی کعبے میں پیدا ہوئے اور نتیجہ یہ نکالا گیا کہ نبی کا دسی وہ ہے جو خدا کے گھر سے آیا ہو۔ بلندی خیال کے علاوہ بھی ایک چیز قابلِ لحاظ ہے یعنی کسی شعر کے تیور یا یوں کہیے کہ لب و لہجہ، اس عنوان سے اس رباعی پر نظر ڈالے۔ کیا شاہانہ لہجہ ہے۔ حکمِ خدا کا کلامِ بولتا ہے۔ حکمِ خدا سے کہتے ہیں ولادتِ علی کا نتیجہ دوسرے مصرع میں ظاہر ہوتا ہے

کہ کعبے کو علی کی پیدائش سے شرف حاصل ہوا۔ یہاں لہجے کی بلندی قابل لحاظ ہے اور پھر کعبے سے جناب علی کی برآمدگی کہ نبی اپنی گود میں لے کر نکلتے ہیں، دنیا کو دکھاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں؟

لو ہم نے وہی خدا کے گھر سے پایا

اب ایک دوسرا مقام انیس کی رباعی میں ملاحظہ ہو کہنا یہ مقصود ہے کہ بعد شہادت جب سر مبارک کو نیزے پر بلند کیا گیا تو اس کا اثر کچھ اور ہی نمایاں ہوا۔ انوار یزید کا مقصد تو یہ ہوگا کہ امام عالی مقام کا سر دنیا کو خوف زدہ کر دے گا کہ یزید کی طاقت بھی کتنی بڑی طاقت ہے اور لوگ جمہور اطاعت ہو جائیں گے۔ لیکن ہوا کچھ اور ہی دیکھنے والے چیخ اٹھے کہ کس صاحب کرامت کا سر ہے جو شہید بھی ہے اور غازی بھی اور نمازی بھی۔

کیا مرتبہ سلطانِ مجازی کا ہے کیا عز و شرف امامِ غازی کا ہے  
سجدہ کا نشان دیکھ کے سب کہتے ہیں نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے  
یہ بلاشبہ ایک عظیم رباعی ہے۔ لہجے میں فخر و مباہات کا وہ عالم ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ایسا نادرک موقع تھا کہ انیس چاہتے تو حاضرین مجلس کو اپنی مرضی کے مطابق دلاتے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ انیس نے بظاہر ایسا نہیں کیا اور رجز یہ انداز میں جھوم جھوم کر قصیدے کے رنگ میں سر مبارک کی تعریف کی ہے۔ یہ اس رباعی کا ایک رخ ہے اگر دوسری مرتبہ نظر ڈالی جائے تو چیخ نکل جاتی ہے کہ وہ سر جو جسم امام پر ہونا چاہیے تھا نیزے پر ہے۔ نیزے کی رعایت ایک اور مقصد سے بھی برقی گئی ہے وہ دن نہ تھا روزِ قیامت تھا۔

آفتاب سوائیزے پر بھی نہ تھا۔ سر مبارک دراصل آفتاب ہے۔ آفتاب کی پہچان روشنی سے ہوتی ہے سر اقدس کی بھی یہی پہچان بتائی گئی ہے۔ وہ نورانی چہرہ جسے دیکھ کر یہ کہا نہیں:

ع      نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے  
اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باندھوں:  
میر انیس نے خود کہا تھا:

گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں

اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باندھوں

اور اس فن میں وہ پڑھونی رکھتے تھے لیکن صرف یہی نہیں بلکہ انیس کا کمال فن یہ بھی تھا کہ وہ ہر رنگ کے مضمون کو اسی رنگ و ڈھنگ کے الفاظ سے باندھتے اگر شادی کا مقام ہے تو شعروں میں جو لفظ ملتے وہ سرخ پوش شہنائی بجاتے ڈھول پیٹتے اور رقص کرتے نظر آتے، غم کے مضمون میں سیاہ پوش انگبار درد و گداز سے بھرے الفاظ مضمون میں ماتم کرتے معلوم ہوتے۔ خوف کا ذکر ہو تو خوف زدہ، گھبرائے ہوئے الفاظ، لڑائی یا معرکہ میں زور و شور پیدا کرنے والے الفاظ اور کہیں چند توضیحتوں کے الفاظ داعظہ و دریاں اور رہبر خوش بیان معلوم ہوتے۔ اسی لیے تو میر انیس کو محاوروں کا بادشاہ اور لفظوں کا شہنشاہ اور سچے مضامین کا خالق کہا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی دوسرے شاعر نے اردو شاعری میں اس طرح کی مکالمہ نگاری اور بول چال کی سلیس زبان استعمال کی ہو۔ اس طرح مصرعوں میں لفظوں کو جڑ دیتے تھے کہ وہ ذر شہوار کی لڑی معلوم ہوتے۔ میر انیس چھوٹے چھوٹے اردو کے

لفظوں کے کاندھوں پر آسانوں کا وزن رکھ دیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے پاؤں نہیں لڑکھڑاتے تھے ایسا معلوم ہوتا کہ میر صاحب لفظوں کے خالق مطلق ہیں جس لفظ سے جیسا چاہتے ویسا ہی کام لیتے، الفاظ اپنی تھے مگر انیس کے ہاتھ میں سوم بن کر مصرعوں میں ایسا کھپ جاتے جیسے حضرات داؤد کے ہاتھوں میں لوہے کی ذرہ کے ٹکڑے نرم ہو جاتے تھے۔

مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا  
مر جاتے ہیں سن کے روز مزا میرا

کیا فاختہ جھٹے کی بھلا بلبل سے  
صاف اپنا وہ پہلے روز مزا تو کرے

میر انیس کہا کرتے تھے۔ صاحبو! یہ میرے گھر کی زبان ہے۔ اہل لکھنؤ اس طرح نہیں کہتے۔ انیس کو اپنی زبان دانی پر فخر تھا اور اس فخر اور فن پر گرفت کو خود ستائی یا عیب نہیں سمجھتے تھے۔ ذیل کی رباعی میں انیس نے غرور غمزہ اور دعویٰ کو کس خوبصورتی سے استعمال کیا اور مضمون کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا:

گلگلیجیں کو غرور گل فشانے کا ہے  
غمزہ بلبل کو خوش بیانی کا ہے  
خال زہن اکسز کی جو کی ہے توصیف  
دعویٰ ہم کو بھی نکلتے دانی کا ہے

گلکھیں کو اس پر ناز ہے کہ اُس نے باغ کے ایک گوشے سے پھولوں کو  
 پُچن کر مھفلوں میں بکھیر دیا۔ بلبل اپنے شیریں لہجہ پر مغرور ہے کہ کوئی اور پردہ  
 ایسی دلکش آواز نہیں پاسکا۔ ہم شبیر رسول کلی اکبر کے سراپا سے مرثیہ نگاروں کے  
 دفاتر بھرے پڑے ہیں لیکن انیس کی معجز بیانی کا کوئی حریف نہ ہو سکا۔ خال اکبر  
 سے نکتہ دانی کو جوڑنا شعر کی بلاغت کا جوہر ہے۔ انیس بین السطور یہ بتا رہے ہیں  
 کہ میں نے علی اکبر کے خال سے جو نادر مضامین نکالے ہیں اُس سے میری نکتہ  
 دانی دقیق اور عمیق نظری ظاہر ہوتی ہے۔

انیس نے بہت صحیح کہا اور یہ کر کے بھی دکھایا کہ وہ ایک پھول کے مضمون کو  
 سورنگ سے پیش کرنے کی صلاحیت اور ہنر رکھتے ہیں۔ ذیل کے مصرعوں اور شعروں  
 میں پھول کے مضمون کے مختلف رنگ اور ڈھنگ دیکھئے اور کیف کیجیے۔ ہم نے یہاں  
 صرف زبامیات سے پچاس سے زیادہ مضامین پُچن کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ میر  
 انیس صرف مرثیہ کا نہیں اردو شاعری کا سردار بھی ہے۔

جھڑتے ہیں دہن سے پھول، لفظوں کے عوض  
 پاں آئے سخن چیں بھی تو گل چیں ہو جائے

مداح گل گلشن زہرا ہم ہیں  
 غنچے کی طرح زباں میں رہتینی ہے

ج: گلکھیں کو غرور گل نشانی کا ہے

کس منہ سے کہوں لائق حسین ہوں میں  
 کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں  
 گلہائے مضا میں کو کہاں بند کروں  
 خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں  
 ع: کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں  
 ع: گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو  
 ع: گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے

گلشن میں مہا کو جستجو حیری ہے  
 جس پھول کو سوگتا ہوں یو حیری ہے  
 ع: شاخ گل تر زمیں پہ سر دھرتی ہے  
 ع: ہر پھول سے صنعت صد پیدا ہے

لالے سے عیاں بہار سرخوشی ہے  
 نرگس کو جو دیکھے تو مدہوشی ہے  
 کیسی یہ کوگو ہے اے رب کلیم  
 بلبل تالاں ہے گل کو خاموشی ہے

اس ایک رباعی کی تشریح کے لیے پورا دفتر بھی کم ہے۔ لالے کا پھول  
 سرخ رنگ کا اس طرح لگتا ہے جیسے ایک جوان خوبصورت چہرہ خوشی کے عالم میں

سرخی سے دمکا ہے۔ زمرے کے پھول کی شکل خمار زدہ مست آنکھ سے مشابہت رکھتی ہے جس کو مدہوشی کی حالت بتائی ہے۔ تیسرے مصرع میں گوگلو یعنی بولنا اور خاموشی وہ بھی سوالیہ طور پر رب کلیم کی نسبت سے جہاں حضرت موسیٰ جو اللہ سے بات کرنے والے نبیؑ کی تلخج نے مضمون کو آسان کی بلندی دی۔ آخری مصرعہ حسن تعلیل میں ہے جہاں بلبل بولتی ہے اور پھول بات نہیں کر سکتا جس سے شاعر نے پورا استفادہ کیا ہے۔

ع: ہر وقت گلِ عشق تر و تازہ ہے

ع: فردوس سے مثلِ بوئے گل جاتے ہیں

ع: ہر غنچے سے شاخِ گل ہے کیوں نذر بکف

ع: گلِ دستِ باغِ دیں ہے دسِ حیدر !

۔ گلزارِ نجف میں مدحِ خواں ہوگا انہیں

بلبل کو جو ڈھونڈ تو چمن میں ڈھونڈ

۔ صاحبِ گلزار کربلا میں ڈھونڈیں

بلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا

۔ یارب رہے یہ باغِ خزاں سے محفوظ

جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

ع: رخصاں ہے ندا گل ہیں یہ سارے ایسے

۔ فردوس سے روح مصطفیٰ آتی ہے  
پھولوں میں بسی ہوئے صبا آتی ہے

۔ خوشبو یہ عرق میں ہے عزا داروں کے  
پانی پانی مگلاب ہو جاتا ہے

ع: دامن میں گل اٹک عزا رکھتے ہیں  
ع: یہ پھول غزاں میں بھی تروتازہ ہے  
ع: داغ غم نہ سینے میں گل ہوئے ہیں  
۔ یوں اٹک عزا چشم سے نکلیں پیہم  
ہر سوے مڑہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

ع: گل لخت جگر ہے باغ باغ آنکھیں ہیں  
ع: اکبر سا گل بدن نہ ہوگا کوئی

۔ خود دھونڈ کے پیش اہل دل جاتا ہوں  
غنیجے کی طرح ہوا سے کھیل جاتا ہوں



ذیل کی رباعی میں دنیا کی بے ثباتی اور ہر شے فنا پذیر ہے کے خشک مضمون کو صنعت مراعات النظر میں جس میں نخل، باغ، گل، خزاں، مرجھانا جیسے لفظوں سے رنگین بنا کر مصرعوں کو زعفران کر دیا۔

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے

اس باغ سے کیا کیا گل رعتا نہ گئے

تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں

وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

ع: خاروں سے خلش نہ پھول سے کاوش ہے

ع: ہر گل کو جگہ کم التفاتی کا ہے

ع: کب غنچہ کی گل جھڑی مہا نے کھولی

نکستوں میں غدر کے بعد انگریزوں نے مقامی جاسوس افراد سے مدد لے کر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کیا۔ شریف لوگوں کے لیے زندگی تک و عار سے بدتر ہو گئی۔ ایسے حالات سے انیس آگاہ تھے۔ چنانچہ صنعت مراعات النظر اور استعاروں کی مدد سے انیس نے حالات کی تصویر کشی کی:

شکل چمن صدق و صفا بگزی ہے

ہے رنگ نیا بوے وفا بگزی ہے

پھولوں سے ہے پھولوں کو دغا کا کھنکا

کیا گلشنِ عالم کی ہوا بگزی ہے

گلزار جہاں سے باغِ جنت میں گئے  
غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے  
ع: بزرے کی طرح گلوں کو پامال کیا

حضرت علی اکبر بہت خوب صورت نوجوان تھے وہ صورت میں، سیرت میں رفتار میں، گفتار میں، اطوار میں، کردار میں، قد و خال اور بول چال میں پیغمبر اکرمؐ سے مشابہ تھے اسی لیے ان کو ہم شکل نبیؐ یا شبیہ پیغمبرؐ کہا جاتا تھا۔ میر انیس کے مرثیوں اور سلاموں کے دفاتر علی اکبرؑ کے سراپا سے سر تا پا نورانی ہیں۔ اس مقام پر ہم صرف رباعیات میں وہ بھی صرف پھول کے مضامین کے تحت جمع آوری کر رہے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ذکر کی گئی رباعی میں انیسؒ نے اس حسن کی توصیف کو ناممکن قرار دے کر قد و خال کو استعارے اور تشبیہ کے پھولوں سے سجا کر گلشنِ سخن میں پیش کیا ہے:

منہ چاہیے دمفِ رخِ اکبرؑ کے لیے  
تھا سخن اسی سروِ سخن کے لیے  
نازکِ بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے  
تارِ رگِ گل چاہیے مسر کے لیے

علی اکبرؑ کے قد کو سرو سے سینے کو گلِ سخن سے اور نازکِ بدنی کو رگِ گل اور مسر سے جو ذکر میر انیسؒ نے غزل گو شعرا کے ہاتھوں کو باندھ دیا ہے۔ میر انیسؒ کو ان مقدس ہستیوں کا ذکر کرنا تھا جن کے لیے الفاظ کا استعمال اور انتخاب ان کے تقدس کے مناسب ہو یہاں فردوسی کی فرضی داستان نہیں تھی جس میں ایک فرضی

دستی رستم کو ہیر دہنایا گیا۔ فردوسی نے کہا تھا:

منم ساختم رستم داستان دگر نہ ملی بود در سیستان  
لیکن انیس نے اقرار کیا تھا:

میں کیا ہوں مری طبع کیا ہے اے فہر شاہاں

حسان و فردوق ہیں یہاں عاجز و حیراں

اسی لیے اس رباعی کے تیسرے مصرعہ میں جنسیت کو مٹانے کے لیے نازک کمر کے مضمون کو نازک بدنی سے بدل کر سو قیادہ ہونے سے بچا کر صوفیانہ کر دیا اسی لیے تو کہتے ہیں اردو شاعری میں اخلاقیات سیکھنے کے لیے میر انیس کی دلیلیز پر جمیں سائی کرنی پڑے گی۔

انیس کی اخلاقی رباعیات کی ایک خاص تعداد غرور کی مذمت، قناعت، خودداری و انکساری فقر و درویشی اور عزت نفس پر مشتمل ہیں۔ میر انیس جو کہتے تھے وہ کرتے بھی تھے اسی لیے ان کے ہندو نصائح سے لوگ متاثر رہتے تھے۔ میر انیس عوامی تھے درباری نہ تھے لیکن ان کی پرکشش انسانی اقدار سے لبریز شخصیت کے درباری اور عوامی افراد گردیدہ تھے۔

جن لوگوں نے میر انیس کی شخصیت کا مطالعہ کیا ہے وہ ان رباعیات کو ان کی منکوم خودنوشت کہہ سکتے ہیں اور یہ مصرعہ انیس کے دل کے ترجمان تھے چنانچہ بقول علامہ اقبال۔

ع: دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں  
 وہ نئے فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں  
 لہریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے  
 آنکھوں میں کوئی غمی سانا ہی نہیں

یہ اوج یہ مرتبے ہما کو نہ ملے  
 یہ دلق مرتفع امراء کو نہ ملے  
 بخش ہے خدا نے ہم کو دولتِ فقر  
 برسوں ڈھونڈے تو بادشہ کو نہ ملے

ہر صبح کو تو دوڑ کر کدھر جاتا ہے  
 کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے  
 جب ضامنِ روزی ہے خداوندِ کریم  
 پھر کس لئے تو رزق کا غم کھاتا ہے

حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں  
 مگر زر کی ہوس نہ ہو ابوذر ہو جائیں  
 تو آبی د شای نہیں درکار انیس  
 مگر سبہ رفق ملے سکندر ہو جائیں

انہیں کے اخلاقی ربا عیات میں ان کے خود ذاتی کردار اور نظام العمل کے ساتھ ساتھ ان کے ماحول اور لکھنؤ کی تہذیب کو بھی بڑا دخل تھا۔ یہ اخلاقی ربا عیات ایک مریضانہ ماحول کی پیداوار نہ تھیں ورنہ لکھنؤ میں لکھی نہ جاتیں اور مخصوص لکھنؤ میں مقبول عام نہ ہوتیں۔ لکھنؤ کی تہذیب اور تمدن کے ساتھ یہ انصاف نہیں کہ وہاں کے شعر و ادب کی داستانوں کے ساتھ کچھ رنگین شعرا کے سوقیانہ اور بازارانہ رنگ کو ساری تہذیب کے کیڑوں پر رنگ دیا جائے۔ میر انیس کی ربا عیات کی اخلاقی قدریں اور ان کی سماجی اور اجتماعی پذیرائی اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ لکھنؤ کی سچی تہذیب کو بر ملا کیا جائے اگرچہ کہ ہم جانتے ہیں: ع: دریدہ بیضا ہمد انگشت یکساں نیست۔ اس موقع پر ہم پروفیسر شبیہ الحسن لکھنوی کے مضمون کی چند مربوط سطور کو بطور ادعا اور استغناء پیش کرتے ہیں:

”یہ ربا عیات اسی لکھنؤ میں لکھی گئیں اور وہیں مقبول ہو کر حسین و آفرین کا سورو بنی ہیں کہ جس کی شاندار تہذیب نے میر انیس کو پیدا کر کے اپنے وجود کی ایک فنی علامت بنا دیا تھا۔ اس لیے یہ ربا عیاں اور ان کے اندر موجود نقطہ نظر میر انیس کی آواز نہیں ہیں بلکہ اودھ اور لکھنؤ کی ان تہذیبی اقدار کی زبان گویا ہیں جن کے ساتھ ادبی تاریخ میں بہت کم انصاف کیا گیا ہے۔ اگر لکھنؤ کی ساری تہذیب مریض تھی اگر یہاں کا ماحول اپنی قہیش زدگی کی وجہ سے نیم جان تھا، تو توانائی سے لبریز ایسی ربا عیاں کیونکر وجود میں آ گئیں اور اگر

وجود میں آ بھی گئی تھیں تو آبادی کے ہر طبقے اور طبقے میں ان سے اثر قبول کرنے والے مداح کیونکر پیدا ہو گئے۔ اگر یہاں خارجیت کے چٹخلوں کے علاوہ اور کچھ وجود ہی نہیں رکھتا تو یہ رباعیاں کس ماحول، کس تہذیب اور کن لوگوں کے داخلی افکار و اقدار کی نمائندگی کرتی ہیں۔ کن لوگوں کی حدیث دل بیان کرتی ہیں اور کن لوگوں کے لیے وجود میں آتی ہیں۔ یقیناً یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح یہ رباعیاں انہیں کی فکر، جذبے اور کردار کا آبِ زلال ہیں اسی طرح لکھنؤ کی تہذیب و فکر میلان اور اخلاق کے نظریاتی استحکام کا بھی آبِ زلال ہیں یہاں کی اجتماعی تہذیب کی ایسی علامت ہیں جس میں داخلیت کو حسن کے بیرونی بیانون سے چھلکنے اور اُلٹنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ رباعیاں اپنے معنوی حسن اور صوری زیبائش کی وجہ سے لکھنؤ کی تہذیب، زبان اور ادب کے متعلق نقادوں کو بالعموم ظہر ثانی کی دعوت دیتی ہیں اور انہیں اس داخلی پہلو کی طرف متوجہ کرتی ہیں جسے خارجی اوصاف سے مسحور یا بدھڑہ ہو کر مسلسل نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔“

میر انہیں کا کلام اگرچہ مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں پر مشتمل ہے جو مضمون کے لحاظ سے ملت اسلامیہ کے اقدار اور زبان کے لحاظ سے برصغیر کی عظیم

زبان اردو سے متعلق ہے لیکن اس کی آفاقیت اس میں شامل دوس اخلاق ہے۔ میر انیس کا کلام اخلاقیات کا عمدہ ترین نمونہ ہے یہ بحسن یوسف ہے جس کو مصر کے بازار ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر بازار میں پیش کیا جانا چاہیے۔ شاید اسی کلام انیس کی اخلاقی قوتوں کا احساس کر کے مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا تھا کہ ”غالب کی غزلیں اور انیس کا کلام برصغیر کی جانب سے دنیائے ادب کو تحفہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے یہ کسی قوم قبیلہ یا منطقہ کی میراث نہیں۔ اخلاق کا تعلق اشرف المخلوقات کی اشرف قدروں سے ہے چنانچہ اس سے ہر انسان فائدہ اٹھا کر اپنے کو احسن التعمیم بنا سکتا ہے۔ میر انیس کا موضوع فلسفہ شہادت، کرہا، اولوالعزم خانوادہ رسالت کے اخلاق و کردار اور ایمان سے تازگی اور نمود حاصل کرتا ہے جہاں حق پرستی، سچائی، رحم، عدل، تواضع، استغنا، توکل، عزت نفس، حریت کے ساتھ عداوت، تکبر و غرور، خود پرستی سے کنارہ کشی کی تعلیم با الواسطہ یا بلا واسطہ دی جاتی ہے۔ میر انیس کے اخلاق سازی کا ہر مرثیوں سے زیادہ رباعیوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے میر صاحب کی بہت سی اخلاقی رباعیات زبان زد عام ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی، حرص و ریاکاری دو روزہ زندگی پھر پیری اور موت ایسے مضامین ہیں جن پر انیس کی رباعیات اردو شاعری کی گراں قدر میراث سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے مرثیہ انیس میں کلام انیس کی انسانی لافانی اخلاقی قوتوں کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اپنے خمیر کو خوش اخلاقی اور خوش کرداری کے زیور سے آراستہ کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ میر انیس کا

کلام کسی خاص مذہب و ملت سے وابستہ نہیں، چنانچہ یہ اردو زبان کے شاعروں، ادیبوں اور پرستاروں کا فرض ہے کہ کلام انہیں سے خود بھی شناسی پیدا کریں اور دوسری قوموں کو بھی اس آواز جس سے بیدار کریں اور پھر شاید ع: ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں انہیں

نمونے کے طور پر مشقی از خروار ہم چند اخلاقی رباعیات پیش کرتے ہیں۔

خاکساری، بردباری، بجز و عیب پوشی کے عمدہ مضامین کو مصرعوں میں اس طرح سمودیا ہے جیسے دریا کو کوزے میں۔ توکل، قناعت اور ندامت حرم پر خوب صورت رباعیاں ہیں:

انجام پہ اپنے آہ و زاری کر تو  
ختم بھی جو ہو تو بُردباری کر تو  
پیدا کیا خاک سے خدا نے تجھ کو  
بہتر ہے یہی کہ خاکساری کر تو

رجہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے  
وہ دل میں فروتنی کو با دیتا ہے  
کرتے ہیں تمہی مغرر ثنا آپ اپنی  
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے



دل کو مرے شغلِ نغمساری کا ہے  
 غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے  
 گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غزہ  
 ہم کو بھی غرورِ خاکساری کا ہے

ہر صبح یہ دوڑ کر کدھر جاتا ہے  
 کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے  
 جب ضامنِ روزی ہے خداوندِ کریم  
 پھر کس لیے تو رزق کا غم کھاتا ہے

کیوں زر کی ہوس میں درپردہ پھرتا ہے  
 جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے  
 اللہ رے پیری میں ہوسِ دنیا کی  
 تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

یہ حرص جو لے کے جا بجا پھرتی ہے  
 پھرتے ہیں جدھر، ساتھ قضا پھرتی ہے  
 فریادِ کناں برائے ہر دانتِ رزق  
 یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

دنیا بے ثبات ہے فانی ہے۔ ہر شخص یہاں سے خالی ہاتھ گیا کیوں کہ خالی ہاتھ یہاں آیا تھا۔ دنیا مقامِ عبرت ہے۔ صرف چند رہا عیاں پیش کی جاتی ہیں۔

وہ تختِ کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ  
جو آج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ  
قرآن لکھ لکھ کے دفن جو کرتے تھے  
اک سورۃ الحمد کے محتاج ہیں وہ

ہے کون جو رنجِ مرگ سہنے کا نہیں  
احوال یہ گوگو ہے، کہنے کا نہیں  
آمادۂ کوچ رہ جہاں میں غافل  
بُھیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی  
ہر چیز یہاں کی آتی جانی دیکھی  
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا  
جو جا کے نہ آئے، وہ جوانی دیکھی

ریا کاری، منافقت اور سیاہ قلبی پر عمدہ رہا عیاں ہیں۔

ہے مملکت جسم میں شاہی دل کی  
کچھ تو نے نہ دوستی نہای دل کی  
بعد اس کے دعائے موسپیدی کرنا  
پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی

تا چرخِ افغان صبح گاہی نہ گئی  
چہرے سے کبھی گردِ جاہی نہ گئی  
سب ریش سفید ہو گئی آہ انیس  
پر اک سرِ مو دل کی سیاہی نہ گئی

میر انیس اگرچہ مرثیہ گو شاعر ہیں لیکن انھوں نے سلام اور خصوصاً بڑی تعداد میں رباعیات بھی کہیں ہیں وہ جس طرح درجہ اول کے مرثیہ نگار ہیں اسی طرح درجہ اول کے رباعی گو بھی ہیں۔ یہ میر انیس کی معجز بیانی ہے کہ انھوں نے رباعی کے اختصار اور چوتھے مصرعہ کے زوردار لہجہ سے مرثیے کے بند میں استفادہ کر کے ٹپ کے شعر کو مرثیہ کے بند میں رشکِ رباعی بنا دیا۔ میر انیس کی رباعیات ہوں یا مرثیے کے بند، ہر دو اصناف میں بھرتی کے الفاظ، بے جان تشبیہات اور ڈھیلی بندیش نظر نہیں آتیں۔ میر انیس ایک مکمل فطری شاعر کا قالب ہیں ان کے اشعار میں جو ظاہری صنعتیں نظر آتی ہیں وہ بھی ان کی فطرت کی رنگینی ہے جو ان کے حسن زبان اور بیان کا فطری حصہ ہے جس میں قصع نہیں۔ شاعری کی صنعتوں میں "تمثیل نگاری" کو اس لیے بھی اہمیت دی جاتی ہے کہ دیستانِ ناتج اور لکھنؤ کی

شاعری میں تمثیل نگاری کو بڑا فروغ ہوا۔ غزلیات ہوں کہ مثنویات، رباعیات ہوں کہ قصیدہ جات، تمثیل نگاری کے کامیاب اور ناکام تجربات سے مملو تھے لیکن اغلب تمثیل نگاری بناوٹی اور اضافی نظر آتی تھی جہاں تک رباعیات کا تعلق ہے میر انیس نے اگرچہ تمثیل نگاری کا کم لیکن صحیح اور فطری استفادہ کیا ہے۔ یعنی تمثیل نگاری سے شعر کے مضمون کو آسمان پر پہنچا دیا ہے جس کی صداقت کا کلمہ قاری پڑھ لیتا ہے۔

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے  
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے  
نری سے مطیع سنگ دل ہوتے ہیں  
دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

اس رباعی کا دوسرا کرمشہ یہ ہے کہ یہاں صنعت تضاد سے مصرعوں میں جان ڈالی گئی ہے جیسے زمین، آسمان، قوی، ناتوان، نری، سنگ، یہی نہیں بلکہ صنعت حسن تعلیل سے چوتھا مصرعہ منزل کمال پر پہنچ گیا ہے۔ دانت سخت ہیں لیکن زبان کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں۔ مصرعوں کے لہجوں میں فرق ہے۔ پہلا اور دوسرا مصرعہ صنعت سوالیہ اور استفہامیہ ہے مصرعہ سوم بیانیہ ہے۔ مضمون کو پہلے تین مصرعوں میں ارتقائے کر منطق اور تجربہ کی روشنی میں عزت نفس کے اخلاقی درس کو پیش کرتے ہیں جو ایک کامیاب شاہکار رباعی کی شناخت ہے۔

میر انیس کے پاس درجنوں ایسی رباعیات ہیں ہم ایک اور مشہور رباعی کو

پیش کرتے ہیں:

رجہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے  
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے  
کرتا ہے تمہی مغرنا آپ اپنی  
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

چاروں مصرعوں میں سلاست روانی آسان بیانی اور دلکشی ہے۔ مصرعوں میں الفاظ ایسے جڑ ویے گئے ہیں کہ بھرتی کے لفظ کا گزر تک نہیں۔ اخلاقیات کے مسائل میں عجز و انکساری فروتنی، خود داری اور خاکساری انساں سازی اور کامیابی کی کلید بتائی گئی ہے۔ یہاں مولانا روم کی روایت:

خوش تر آن باشد کہ سبز دلبران  
گفت آید در زبان دگران

کا چلن ہے۔ کم ظرفوں کی خود ستائی خود ان کی رسوائی کا باعث ہوتی ہے۔ اگرچہ مصرعوں میں بعض اوق اور فارسی کے الفاظ مصرعوں کو شان و شوکت کے پوشاک پہنا کر بلند بینیوں کے لائق کر دیتے ہیں لیکن پھر بھی یہ انہیں کے کلام کی تاثیر ہے کہ تمثیل ہوتے ہوئے بھی مصرع اور شعر زبان زد عام ہو جاتے ہیں۔ صنعت جمع: انسان جو ایک مشت خاک ہے خدا نے کیا کیا بخشا ہے۔

عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان  
اس ایک کف خاک کو کیا کیا بخشا

(عقل، ہنر، تمیز، جان اور ایمان کو ایک مصرعہ میں جمع کیا ہے)

صنعت جمع: طوبیٰ کوثر بہشت آرام لہ

جو کچھ پایا علی کے گھر سے پایا

(طوبیٰ کوثر بہشت اور لہ ایک مصرعہ میں ہیں)

صنعت مراعات النظر: طوبیٰ۔ کوثر۔ بہشت

صنعت لفظی سے استفادہ کر کے ٹر کی شان اور خوش بختی کا اظہار کیا یعنی

ٹر نے مقدار سے مقدار، سلمان سے اسلام کی منزلت، عمار سے عمر جاودانہ اور زر

سے اجتناب کر کے ابوذر کا رتبہ حاصل کیا۔ مقدار، سلمان، عمار اور ابوذر چاروں

حضرت علی کے عمدہ ترین صحابی تھے۔

ٹر نے مقدار کا مقدر پایا

اسلام بھی سلمان کے برادر پایا

عمار کی طرح پائی عمر جاوید

زر چھوڑا تو رتبہ ابوذر پایا

صنعت تکرار، صنعت اعداد، صنعت اشتقاق اور لہجہ ندا اور دعا ذیل کے

مصرعے میں ہیں۔

ع: اک تو بہ تو کیا ہزار تو بہ یارب

صنعت جمع، صنعت اعداد اور صنعت ابداع کو ذیل کے شعر میں

دیکھئے۔

توریت انجیل اور زبور و قرآن

ہیں ایک رباعی صفات حیدر

صنعت اعدا و تکرار کے لڑوم کے ساتھ شعر دیکھئے۔

قربان دوازده امام برحق  
بارہ سطریں یہ ”سورۃ نور“ کی ہیں

کیا غم ہے کہ نور عین زہرا کے لیے  
سر دست مژہ سے چٹلیاں چٹنی ہیں

اس فوق شعر میں محاورہ سر پینٹنا کے علاوہ کئی صنعتیں ہیں۔ صنعت حسن تعلیل میں دوسرا مصرعہ ہے یہاں شاعر نے پلوں کے جھکنے کو نظم کیا ہے۔ صنعت مراعات العظیر میں مژہ، چٹلیاں اور عین شامل ہیں۔

انیس کے پاس نادر تشبیہات استعارات، تلمیحات اور اشارات کا خزانہ  
ان کے کلام میں دفن ہے ضرورت اس کو نقد نظر سے نقد کرنے کی ہے۔

نادر تشبیہ = گویا اک ہدیوں کا مالا ہوں

نادر استعارات = چشم بد دور بزم ماتم ہے نور

آنسو روغن ہے اور چراغ آنکھیں ہیں

تلمیحات = بگلول کو تاج خسروانی کرویں

درویش کو اسکندر ثانی کرویں

عمدہ تشبیہات = گو صورت دریا ہر تن جوش ہوں میں

مانند حباب خانہ بردوش ہوں میں

تفسیر سے عمدہ مضمون نکالا ہے۔

عریاں ہوں لباس عاریت سے جوں سرو  
ہے خاک نشینی میں بلندی مجھ کو  
تمیحات سے مضمون تراشا ہے:

انداز کلام حق سمجھتا ہے کلیم  
موسیٰ سے رموز لن ترانی پوچھو  
پورا شعر تمیحات سے سمجھا ہوا ہے۔

جیم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ  
احوال سکندر کا تو آئینہ ہے  
خواصورت استعارہ

ع: دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھا دوں

بیدار اگر ہوں منت خوابیدہ انیس

حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجیے

یہ شعر صنعت ایہام صنعت تضاد اور صنعت شرطیہ میں ہے۔ مصرعہ ثانی میں رویا کے دو معنی ہیں ایک اردو میں رونے کے اور دوسرے فارسی میں خواب کے۔ اس ثانی مصرعہ کے لفظ خواب کے بھی اردو میں خواب دیکھنے کے ہیں اور فارسی میں صرف سونے کے ہیں۔ اس طرح دونوں مطالب عمدہ ہیں اسی طرح مصرعہ اولیٰ میں صنعت تضاد بیدار اور خواب کا اچھا پُر کیف استعمال ہے۔



ہماری دنیا کے سات بلین افراد اگر کسی ایک چیز پر متفق ہیں تو وہ موت ہے۔ کوئی بھی انسان موت کا منکر نہیں۔ مختلف اقباں اور ادیان میں موت کے مسائل اور فلسفے میں اختلاف ہے اور موت کی بعد کی زندگی کے متعلق علیحدہ علیحدہ بیانات اور رجحانات نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال کی شاہکار تمثیلی نظم جاوید نامہ میں عارف ہندی دشواستر جس کو اقبال نے جہان دوست کا لقب دیا ہے اپنی نصیحتوں اور نکات میں احل بات کی تاکید کرتا ہے کہ صرف ایک علم کو بندہ اللہ سے زیادہ جانتا ہے اور وہ علم الموت ہے۔ اللہ کو موت نہیں لیکن بندہ کو موت آنی لازمی ہے۔ چنانچہ وہ موت کو اللہ سے افزوں تر جانتا ہے۔ اردو شاعری میں حیات اور ممات کے مسائل پر دلچسپ اشعار نظر آتے ہیں لیکن میر تقی میر کی زبان میں موت سلسلہ حیات میں دم لینے کا وقفہ ہے۔ ع: اور آگے چلیں گے دم لے کر تو چکوست کی نظر میں:

ع. موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

لیکن اس تحریر میں ہم نے صرف میر انیس کا موت سے استقبال، موت سے پیار اور قبر سے الفت کے مطالب کو رباعیات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سچ ہے میر انیس نے موت کے عمیق فلسفہ اور منطق کو نظم نہیں کیا لیکن موت کا تعارف اور اس کی حقیقت اس کی تیاری اور اس سے غفلت کے معنر اثرات کو عمدہ ترین لہجہ اور بیان میں پیش کیا ہے اردو ادب کے مرثیہ گو شعرا نے جو رباعیات موت، قبر، زندگی پس از مرگ نظم کی ہیں وہ لا جواب ہیں۔ اگر انیس، دج، نفیس اور پیارے صاحب رشید کی رباعیات ان موضوعات پر نہ ہوتیں تو اردو

شاعری کا یہ گوشہ ویران رہتا۔ اس ملکستان مہمات میں انیس نے جو پھول کھلائے ہیں ان میں سے چند یہاں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ ان کی بوسے اذہانِ خلدہ بریں کی خوشبودرک کر سکیں۔

موت حتمی ہے ہر ایک کو یہاں سے کوچ کرنا ہے  
جب سرورِ عالم نہ رہے کون رہے گا؟

آرام سے کس دن تیرا افلاک رہے  
عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے  
عبرت کا محل ہے ہم رہیں دنیا میں  
انہوں نہ جب ہنسن پاک رہے

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لیے  
انسان کا دل ہے داغ اٹھانے کے لیے  
بوڑھا ہو کہ نوجوان، غنی ہو کہ فقیر  
سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لیے

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے  
غافل تھے فکر آب و دانے کی ہے  
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا  
آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں  
 رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں  
 اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری  
 اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

گھر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے  
 اس باغ جہاں سے مثل بو نکلیں گے  
 جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو  
 پر جب نکلے یہ آمد نکلیں گے

میر انیس کی دردِ پشاندہ زندگی، عزتِ نفس کی پائیداری، قناعت، توکل اور  
 مادی دنیا سے چڑاری نے ان کے ماحول کے دوسرے افراد کے برخلاف انہیں  
 طلبِ دولت و مقام اور شہرت سے دور رکھا۔ چنانچہ ان کے قول اور عمل میں یکسانگی  
 ہوئی۔ اسی لیے انیس کی بعض رباعیات جو ان اخلاقی قدروں سے سجائی گئی ہیں  
 زبانِ زو عام ہو گئیں۔ اردو ادب میں یوں تو قبر اور دفن پر کچھ کچھ اشعار ملتے ہیں  
 لیکن کسی شاعر نے انیس کی طرح قبر اور خاک سے پیار نہیں کیا۔ انیس کی یہ  
 رباعیات انسان کو موت کا خوگر بناتی ہیں اور موت کے خوف کو بڑی حد تک مٹا دیتی  
 ہیں اور اس طرح زندگی کو کامیاب اور موثر بنا کر ہر لمحہ زندگی کو موت کے استقبال  
 کے لیے تیار کرتی ہیں۔

قبر سے پیار اور محبت کا اظہار کیا اس سے اچھا ہو سکتا ہے۔

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے  
 زرخ سب سے بھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے  
 کیونکر نہ پت نے تجھ سے سوئیں اے قبر!  
 میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

فردوس ہر اک قبر کا کون ہوگا  
 محل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا  
 راحت دنیا میں غیر ممکن ہے۔ انیس!  
 آرام سے ہاں، لحد میں سونا ہوگا

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے  
 آنکھیں جو ہیں بند عین چٹائی ہے  
 نے دوست کا بھگڑا نہ کسی دشمن کا  
 مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

انسان قبر میں کوئی چیز ساتھ نہیں لے جاتا۔ سکندر جب اس دنیا سے گیا تو  
 اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ فلاسفر اور نفسیات کے ماہرین کے قول کے مطابق وہ  
 انسان جو بعد از مرگ زندگی کا قائل رہتا ہے وہ انسان سازی، ہمدردی اور احترام

آدمیت کے کام دوسرے افراد کی نسبت زیادہ کرتا ہے۔ میرا نیس نے اعمال نیک کی اہمیت دکھا کر عبادت الہی اور خدمت خلق کا درس دیا ہے۔

کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے  
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے  
پہنچا کے لحد تک پھر آئے احباب  
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے  
تھا ہی لحد میں پاؤں پھیلائیں گے  
کوئی نہ شریک حال ہوگا اپنا  
واللہ بس اعمال ہی کام آئیں گے

میرا نیس کی رباعیات میں عمدہ تصوفی اقدار کی تشہیر اور تاکید ہے۔

برہاد گراں جنس کو بے قول نہ کر  
حیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر  
اک ناں ہے انیس دست دو نان سوال  
خالی ہاتھوں کو اپنے کھنکول نہ کر

یہاں ہاتھ پھیلا نا، سوال نان اور کھنکول فصاحت کے سلیس جملوں میں غضب کی بلاغت ہے۔

شاہوں کو نصیب بحر و بر کی تحصیل

یارب مجھے نان خشک و بچم تر دے

بڑی خوبصورتی کے ساتھ بحر و بر کی تحصیل کو شاہوں سے جوڑا ہے یعنی حکمران خشکی اور تری کو اپنی سلطنت کی وسعت میں شامل کرنے کے لیے دن رات مصروف رہتے ہیں لیکن اس درویش مزاج عارف کو صرف خشک روٹی اور آنکھوں کی تری یعنی شرم و حیا کی آرزو ہے۔ اس رباعی کے شعر میں عمدہ مضمون کے علاوہ ایسی صنعتیں کھپ گئی ہیں جو خود بہ خود مضمون شعر کا حصہ بن گئی ہیں۔ صنعت تضاد میں بحر و بر، خشک و تر کے ساتھ ساتھ لف و نشر غیر مرتب یعنی بر کو خشک اور بحر کو تر سے جوڑا گیا ہے۔

ہاں دولت فقر مصطفیٰ دیویں گے

توقیر شرف شیر خدا دیویں گے

ہوگا جو گوش گیر مثل ابرو

مردم آنکھوں پہ تھکوا جا دیویں گے

پوری رباعی تقلید ری اور فکری مضامین سے لبریز ہے۔ دولت فقر مصطفیٰ دیویں گے۔ یعنی آخری اور عمدہ بیانی محسوب کی جائے گی۔ شیر خدا لقب حضرت علی اور ان سے منسوب توقیر شرف کی دین ہے۔ صنعت ایہام میں گوش گیر ابرو کی طرح اور آنکھ کی سیاہ پتلی یا مردم کا افراد سے۔ صنعت ایہام نے صنعت حسن تعاقیل کا بھی بندوبست کر دیا ہے۔ یعنی اگر آنکھ کی سیاہ پتلی کی طرح سے گوشہ میں رہے گا تو لوگ آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ یہاں آنکھوں پر بٹھانا کا محاورہ بھی مضمون میں قابل غور و ستائش

ہے۔ انیس فقر اور استغنا کی مدح کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی ان اقدارِ حق کے عمل پیرا تھے۔

وہ صبرِ مرا وہ بدو باری تیری  
 بھولے گی نہ مجھکو مر کے یاری تیری  
 اللہ یوں ہی سب کی بنا ہے اے فقر  
 جس طرح سے نہہ گئی ہماری تیری

تصوف میں عزت نفس کی نسو کی تعلیمات ملتی ہیں۔ یہاں کسی کو ادنیٰ اور حقیر جاننا جائز نہیں۔ یہاں بقول مولانا روم۔

ع: دل بدست آرد کے حج اکبر است

عیب پوشی صفاتِ کبریا میں شامل ہے۔ یہ تمام مطالب اور اخلاقی تصوفی مضامین میرا انیس کی رباعیات میں بدرجہ احسن نظم ہوئے ہیں۔

عزت رہے یار و آشنا کے آگے  
 محبوب نہوں شاہ و گدا کے آگے  
 یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولّا میں چلیں  
 یہ ہاتھ جب انہیں تو خدا کے آگے

یارِ رہین بحرِ موج نہ کر  
 شرمندہ اہلِ دولت و تاج نہ کر  
 یارب قسم روحِ یہ اللہ تجھے  
 اس ہاتھ کو اُس ہاتھ کا محتاج نہ کر

ہے اوج کمال و نیک نفسی کی دلیل  
ادنیٰ بھی ہو مگر تو اس کو اعلا سمجھے

منظور اگر ہے جادلوں میں اے دوست  
بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل نکل نہ کر

کہہ دے کوئی عیب جو سے سرگوشی میں  
ڈھپ جاتے ہیں سب عیب خطا پوشی میں

حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں  
گر زر کی ہوس نہ ہو، ابوذر ہو جائیں  
نوابی و شاہی نہیں درکار انیس  
گر سبہ رمتی ملے سکندر ہو جائیں

یہ اوج یہ مرتبہ ہا کو نہ ملے  
یہ دلی مرقع امرا کو نہ ملے  
بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ دولت فقر  
برسوں ڈھونڈے تو بادشا کو نہ ملے



دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں  
وہ غصہ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں  
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے  
آنکھوں میں کوئی غمی ساتا ہی نہیں

وہ صبرِ مرا، وہ بردباری تیری  
بھولے گی نہ مجھ کو مر کے یاری تیری  
اللہ یوں ہی سب کی نسا ہے اے فقر  
جس طرح کہ نہہ گئی ہماری تیری

اردو ادب کی تاریخ اس وجہ سے بھی مکمل نہیں کہ اس میں صرف نثری حوالوں سے کام لے کر شعری ذخیرہ کو نظر انداز کر دیا گیا چنانچہ اگر مظلوم استاد سے کام لیا جاتا تو بہت سے مقامات کی خانہ پُری ہو جاتی۔ مرثیوں کے چہروں اور بعض سماجی اور ذاتی رباعیوں سے حالات اور واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ مرزا و میر نے اپنی ایک رباعی میں ترکی افواج کی کربلا میں قتل و غارت کا تذکرہ کیا ہے جس میں شہیدوں کی تعداد بائیس ہزار افراد بتائی ہے۔ اگر یہ رباعی کا حوالہ نہ ہوتا تو ہم تاریخی المناک واقعہ سے بے خبر رہتے۔

ع      بائیس ہزار حیدری قتل ہوئے

میر انیس کی بعض ذاتی رباعیوں میں ان کی خوشی، بیماری اور غم کی وارداتیں محفوظ ہو گئیں ہیں۔ میر انیس نجف اور کربلا کی زیارات کے مشتاق تھے چنانچہ اپنی

لڑکیوں کی شادیوں سے فرصت پانے کے بعد جو رہا می کی کمی وہ یہ ہے:

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں

توفیقِ رفتی ہو تو چلتا ہوں میں

تقدیر نے چیزیاں تو کاٹی ہیں انیس

کیوں رک گئے پانوں، ہاتھ ملتا ہوں میں

سید محمد عباس جو میرا انیس کے خاندان کے فرد تھے لکھتے ہیں: "میرا انیس نے

مرنے سے دو سال قبل قبر کی زمین جولائی ۱۸۷۲ء میں میر فیض الدین سے

ایک سو روپے میں خریدی اور فروری ۱۸۷۳ء میں میونسپل بورڈ سے قبر کا

اجازت نامہ حاصل کیا۔ آخر رمضان ۱۲۹۱ ہجری میں دروہر اور تپ میں جٹلا

ہوئے۔ لکھنؤ کے نامور اطباء علاج میں مصروف رہے لیکن ع: مرض بڑھتا

گیا جوں جوں دوا کی پھر اسپتال کبھی کی بھی شکایت ہو گئی اور میر صاحب

صحت سے مایوس ہو گئے۔ اس دوران جو رہا میات کہی ہیں ان میں بعض یہاں

درج کی جاتی ہیں۔

ہر لکھ ٹھنی جاتی ہے طاقت میری

بڑھتی ہے گھڑی گھڑی فقاہت میری

آتا نہیں آپ رفت پھر جو میں انیس

اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

جیسے جیسے مرض بڑھتا گیا میر صاحب کی رہا میوں نے ان کی داخلی حالت کا

انکشاف کر دیا۔

ہے سخت ملول طبع ناساز مری  
نوحہ ہے صدائے نغمہ پرداز مری  
اللہ رے زور ناتوانی کا انیس  
آوازۂ مرگِ دل ہے آواز مری

عازمِ طرفِ عالم بالا ہوں میں  
ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں  
یا رب! ترا نامِ پاک چہنے کے لیے  
گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

لیکن میرا انیس کو شفا کا بھروسہ صرف ہوا ثانی ہی سے تھا

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے  
ہر درد میں خالق کا کرم دانی ہے  
درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو  
اعدادِ امامِ قل کفی کافی ہے

آخر کار میرا انیس اس لحظہ کے منتظر رہے

بیار کی ہالیں پہ میٹھا آئے  
آقا آئے، ہمارے آقا آئے  
عجالت کا محل ہے پیشوائی کے لیے  
اے جانِ نکل علی اعلیٰ آئے

اور ۷ دسمبر ۱۸۷۴ مطابق ۲۹ شوال ۱۲۹۱ ہجری روز دوشنبہ شام کے وقت طائر روح میر صاحب کے جسم ناتواں سے پرواز کر گیا۔ دریا پر میت کو غسل دیا گیا۔ مولانا سید بندہ حسین قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم کو اپنی خرید کردہ زمین میں دفن کیا۔ بڑے بیٹے نے انیس کی فاتحہ کی مجلس میں جب یہ انیس ہی کی رہائی پڑھی تو رونے کا کھرام برپا ہو گیا:

دردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا  
پنہاں تن ناتواں کفن میں ہوگا  
اُس روز کریں گے یاد رونے والے  
جس دن نہ انیس انجمن میں ہوگا

مرزا غالب سے انیس کی ملاقات غالباً لکھنؤ میں اُس وقت ہوئی تھی جب وہ انتہار کی کھڑیاں اس امید میں گزار رہے تھے کہ شاہ لودھ انیس اپنے دربار میں مدعو کریں گے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انیس فیض آباد میں مقیم تھے لیکن مسلسل لکھنؤ آتے رہتے تھے۔ جب غالب کے انتقال کی خبر میر انیس کو پہنچی تو انہوں نے غالب کے نام سے فائدہ اٹھا کر خوبصورت رباعی لکھی جو آج بھی انیس کے خط تحریر میں محفوظ ہے۔

گلزار جہاں سے باغِ جنت میں گئے  
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے  
دراج علی کا مرتبہ اعلا ہے  
غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے

اسی طرح ایک اور رباعی میرا نیتس نے اپنے سہمی میر مہدی علی نکلنوی کی وفات سے متاثر ہو کر کہی تھی جو اس مجموعہ رباعیات میں شامل ہے۔ میرا نیتس صرف ایک بار حیدرآباد وکن گئے جہاں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی اور تمام حیدرآبادیہ ہو گیا۔ انیس کی دو رباعیوں میں امرائے حیدرآباد اور عوام حیدرآباد کو دعا ہے انداز میں خراج پیش کیا گیا ہے۔

اللہ و رسول حق کی امداد رہے  
 سر بنر یہ شہر فیض بنیاد رہے  
 خواب ایسا رکھیں اعظم ایسے  
 یارب آباد حیدرآباد رہے

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں  
 علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں  
 معیار الکک و بندگان عالی  
 رحمت رحمت پہ نور پر نور ہے یاں

سید محمد عباس لکھتے ہیں میرا نیتس نے اپنی پہلی مجلس جو حسینہ اکرام اللہ خان نکلنوی میں ہوئی ذیل کی رباعی پڑھی جس کی بہت تعریف ہوئی:

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا  
 ظن علم صاحب معراج ملا  
 منبر پہ نشست، سر پہ حضرت کا علم  
 اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

۱۸۵۷ء کے بعد ندر میں لکھنؤ لٹ گیا۔ عزاداری بڑی حد تک متاثر رہی۔ ندر کے بعد کے محرم میں برسات نے بھی مجالسوں کو بے رونق کر دیا تو میر انیس نے یہ رباعی پڑھی۔

بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب  
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب  
جی بھر کے حسین کو نہ روئے اس سال  
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

اسی زمانے میں میر انیس کی ایک مشہور مجلس جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوئے تھے جو نواب قمل حسین خاں کی بارہ درہ کثرہ ابو تراب خان میں انیس نے پڑھی جہاں اتنا بڑا مجمع انیس کو سننے کے لیے جمع ہوا کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں رہی۔ یہ رباعی فی البدیہہ اسی مجلس کی یادگار ہے۔

امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی  
اللہ جزا دے، اس کرم کرنے کی  
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس  
ملتی نہیں جا بزم میں تل دھرنے کی  
اسی ندر سے متاثر ہو کر انیس نے استغاثہ کیا تھا۔

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا  
کیوں چرخ کہن! نیا یہ کیا دور ہوا  
گردش کب تک، نکل چلو جلد انیس  
اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

## کلام انیس کی قدر:

یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کے عظیم ہنرمندوں اور تخلیق کاروں کو اپنے دور کے لوگوں سے شکایتیں رہیں کہ انھیں وہ مقام نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔ چنانچہ بعضوں نے خود کو ”عندیب گلشن آفریدہ“ کہا تو کسی نے اپنے آپ کو ”شاعرِ فردا“ اور کوئی ہمسرا ان کہن سے مایوس اور نامید رہا۔ میرا انیس نے بھی چند اشعار میں اس ناقدری کی شکایت کی ہے۔ سچ یہ بھی ہے کہ چند سخن شناس اور اہل کمال جو میرا انیس کے ہم عصر تھے۔ وہ میرا انیس کے کلام کے ایسے قدرداں تھے کہ آج تک کوئی ان کا ہم پلہ ایسا پیدا نہ ہو سکا۔ یوں تو ہر دور میں انیس کے کلام پر نقد و تبصرہ ہوتا رہا لیکن اس تنقید کی رسائی خود محمد وحشی جو ناقدین کے ذوق سخن اور سخن شناسی پر محیط تھی۔ بلند قامت شاعر اور نابھہ روزگار تخلیقی شخصیت کو کمتر درجہ اور فکر کے افراد پوری طرح درک نہیں کر سکتے، چنانچہ اس المیہ سے دو چار انیس شناسی بھی رہی۔ انور سدید نے ”میرا انیس کی اقلیم سخن“ میں بہت صحیح لکھا ہے۔

”میرزا غالب کو اپنے زمانے سے ناقدری کا شکوہ تھا لیکن وہ خوش قسمت تھے کہ انھیں حالی اور آفتہ جیسے شاگرد دوران حیات اور عبدالرحمن بجنوری جیسے قدرداں بعد از ممات ملے جنہوں نے ان کی زندگی اور شاعری کی مختلف جہتوں کو محفوظ رکھنے کی اولین کوشش کی اور غالب کی زندہ شخصیت اور اس کے جاوید کلام کو بقائے دوام کا درجہ حاصل ہو گیا۔ میرا انیس کو اپنے

زمانہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کا مرثیہ پورے لکھنؤ کی آمد سمجھا جاتا تھا جس مجلس میں پڑھتے تیل دھرنے کی جگہ نہ ملتی۔ پورا لکھنؤ ٹوٹ پڑتا۔ تاثر اتنا گہرا ہوتا کہ آہ و بکا اور نالہ و شہیوں کا شور از زمین تا آسمان مچا ہو جاتا۔ آنکھیں گرہیہ غم سے اتنی بوجھل ہو جاتیں کہ سیلاب اشک بہہ نکلتا۔ ان کے اپنے عہد نے ان کے بلاغت و بیان پر قدر دانی کی جو مہر ثبت کی تھی زمانہ اس پر تو کوئی گرد نہیں ڈال سکا لیکن ان کے حلقۂ احباب میں کوئی خالی نہیں تھا جو ان کے حالات زندگی جمع کرتا اور پھر کوئی بجنوری بھی پیدا نہ ہوا جو یہ پرکھتا کہ انیس نے کتنے بڑے المیہ کو بیسویں صدی کے انسان کے سبھی تجربے کا حصہ بنا دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ میر انیس کے حالات زندگی ماضی کے لوراق میں گم ہو چکے ہیں اور اس کے فن کی تحسین موازیہ انیس و دیگر سے آگے نہیں بڑھی۔“

شعر فہمی کے لیے سخن دانی، سخن شناسی، غلیٹ، وسیع اساتذہ کے اشعار کے مطالعہ کے ساتھ سب سے اہم چیز ”ذوق سلیم“ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو شعر کی گیرائی اور گہرائی تک احساس کی طاقت کو ہمیز کرتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں جذبات متحرک ہو جاتے ہیں اور شعر رگ و پے میں عمر بھر کے لیے جذب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے سخن شناسوں نے شعر کہنے سے زیادہ مشکل کام شعر کے سمجھنے کو بتایا ہے۔



شمر گفتن گرچہ دُرِ سلطن بود  
لَبِک فہمیدن بہ از گفتن بود

یعنی اگرچہ شعر کہنا سوتی پر و نا ہے لیکن شعر سمجھنا اس کام سے بھی بڑا عمل ہے۔ میر انیس کو احساس تھا کہ ان کے اشعار کی پوری طرح قدر و قیمت نہیں کی جا رہی ہے۔ صرف چند اہل علم تھے جو انیس کی شاعری کے نفسیاتی نکتہ کو محسوس کر کے ان کی معجز بیانی سے لطف اندوز ہوتے تھے لیکن زیادہ تر عوام سطحی طور پر شعر کو پرکھتے۔ اسی لیے انیس نے کہا تھا:

دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں  
بلبلیں مجھ سے گلستان کا سبق یاد کریں

بٹائے رقبات ہنر چاہیے اس کو  
سودا ہے جواہر کا نظر چاہیے اس کو

اردو ادب کا کوئی شاعر محاورہ بندی میں میر انیس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔۔۔ میر انیس کے مرثیے، سلام اور رباعیات صحیح محاوروں سے بھرے پڑے ہیں۔ کئی جدید محاورے ایسے ہیں جنہیں شاعروں نے ہاتھ بھی نہ لگائے تھے حیف کہ میر انیس کو مرثیہ کا شاعر کہہ کر ان کی شاعری سے منہ موڑ لیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو ادب کا دامن ان جواہرات سے مملو ہونے کے باوجود تہی دامن رہا۔ صاحب فرہنگ لغت آصفیہ جناب سید احمد دہلوی نے میر انیس کو محاورات کا بادشاہ کہا ہے۔ ان اشعار اور مسرعوں میں محاورے دیکھیے۔

- رباعی شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا (دل جلتا۔ محاورہ)
- آہوں کا دھواں منہ سے نکلنے دیکھا (دھواں منہ سے نکلتا۔ محاورہ)
- انہوں کہ میدان میں بنے قاسم نے
- دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا (ہاتھ ملتا۔ محاورہ)
- ع = آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب (نصیب کا سونا۔ محاورہ)
- ع = تا حشر رہے گا نام اس سے روشن (نام روشن ہونا۔ محاورہ)
- ع = تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرہ اتر ا (چہرہ اترنا۔ محاورہ)
- ع = کعبہ اسی ماتم میں سید پوش ہوا (سیاہ پوش ہونا۔ محاورہ)
- ع = تجھے زیست سے اپنی ہاتھ دھوئے سجاؤ (ہاتھ دھونا۔ محاورہ)
- ع = چشم بد دور بزم ماتم ہے نور (چشم بد دور۔ محاورہ)
- ع = آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس (آنکھوں کو بچھانا۔ محاورہ)
- ع = الٹا دریا بہا، ہوا بکڑی ہے (محاورے۔ الٹا دریا بہنا ہوا بکڑتا)
- ع = آتا نہیں آپ رفتہ پھر جو میں انیس (فارسی محاورہ۔ آپ رفتہ در جو پرتی گردد)

میر انیس نے بعض مصرعوں میں آیات احادیث اور عربی فقرے بڑی مہارت سے اس طرح پیوست کر دیے ہیں کہ وہ انجہی معلوم نہیں ہوتے اسی طرح کا عمل میر انیس بعض ادق اور غیر مانوس الفاظ کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔

- ع = اک غلغلۃ جراکم اللہ ہوا  
 ع = ان کے لیے گویا من وسلوا اُترا  
 ع = کعبہ کو ید اللہ نے آباد کیا  
 ع = جب ذبح حسین ذوی الاکرام ہوا  
 ع = ہے وارد حلّاتی عظمائے حیدر  
 ع = فس کر طوبیٰ لکم علی کہتے ہیں  
 ع = اک پارہ نان کے لیے لا حول ولا  
 ع = ہر آہ میں ہو صدا کہ یا نبی و قدیر  
 ع = ہر سانس میں لا الہ الا هو  
 ع = اک سورۃ الحمد کے محتاج ہیں وہ  
 ع = اے حضرت صاحب الزماں! اور کئی  
 ع = روتی بہ جان فدا یا حسین ابن علی  
 ع = اعداؤ امام قل کلمی کافی ہے  
 ع = جب صلی علی نبی والہ کہے

میر انیس کو الفاظ پر وہ قدرت حاصل تھی کہ وہ ان کو دوسرے الفاظ سے

ملا کر نئے نئے تراکیب تراشتے۔ میر انیس نے سیکڑوں نئی تراکیب بنائی ہیں ہم  
 یہاں چند تراکیب جو انھوں نے رباعیات کے اشعار میں خلق کیں ہیں بطور نمونہ  
 پیش کرتے ہیں۔

## نادر اور جدید تراکیب اور اضافات الفاظ

بنیاجل، خطِ جوانی، باپِ خیر، فرطِ بکا، چاءِ دنیا، نخلِ  
 خاکساری، رفتی تربت، لطفِ سینہ صافی، سیرِ الشیر، راہِ  
 رضا، چراغِ دودماں، کر بلائی تسبیح، حلالِ مہنات، عزو  
 جاہِ ذاکر، مخزنِ علومِ نبوی، خالقِ ذوالفضل و کرم، فکرِ  
 نان و اندوہ لباس، سبِ رفق، ساغرِ استغناء، دسبِ مژوہ،  
 مشکِ خننِ نظم، نافذِ کشائے خنن، مردمِ آبی، قفلِ ابجد،  
 سرمہِ سلیمانی، غرورِ خاکساری، محیبِ الدعوات، سیدِ نخل  
 قداناس۔

## حمدیہ نعتیہ اور منقبتی کلام کے نمونے

میر انیس نے تقریباً تین درجن کے قریب عمدہ حمدیہ اور مناجاتی  
 رباعیات کہی ہیں۔ ہم ان رباعیات پر آگے کے صفحات میں تبصرہ اور ان کا تجزیہ  
 کریں گے۔

لکھن میں صبا کو جستجو تیری ہے  
 بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے  
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا  
 جس پھول کو سوگنت ہوں تو تیری ہے

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں  
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں  
ہر جاجری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے  
حیراں ہوں کہ وہ آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

پہلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو  
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو  
قربت رگ جاں سے اور پھر اُس پر یہ بُھد  
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

حضورِ ختمی مرتبت کے بدن کا سایا نہ ہونے کی لطیف دلیل ہے۔  
اللہ ری لطافت تن پاک رسولؐ  
ڈھونڈا کیا آفتاب سایہ نہ ملا  
حضورؐ کی معراج کے مضمون پر یہ شعر دیکھئے۔

ہار یک ہے ذکر قرب معراج رسولؐ  
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

شق القمر و رجعت خورشید بہین  
احمدؑ کے لیے وہ اور یہ حیدز کے لیے

میر انیس نے پیغمبر اکرمؐ کی حدیث ”میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں“ نقل کی ہے۔

یہ باب میں حیدر کے نبیؑ کہتے تھے  
میں شہر ہوں بازو مرا دروازہ ہے

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اُترا  
نہ شرع چڑھی کوئی، نہ پردا اُترا  
تھا کشتی احمدؑ سے علاقہ جس کو  
دریا سے سلامت وہی بیڑا اُترا

یا ختمِ رسل! مت مئے اُلفت ہیں  
قدموں کی قسم کہ عاشق صورت ہیں  
دیکھا جو حضورؐ کو، خدا کو دیکھا  
اس وجہ سے ہم بھی قائلِ رویت ہیں

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا  
اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا  
مطلوب ملا این ابی طالب سے  
جب شاہِ عرب ملے تو رب کو پایا

غالب کی طرح انیس کے پاس بھی حضرت علی کا عشق ان کے کلام کے ہر لفظ سے چمکتا ہے اور شاید علامہ اقبال بھی اسی معنی کی تفسیر ہو۔  
 علی کا نام آتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انیس کی طبیعت جھوم جھوم کر نذرانہ پیش کر رہی ہے۔ یوں تو معنی رباعیات کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے جن میں اغلب حضرت علی کی شان میں ہیں۔ منقبت کے اس گلزار کی سیر حاصل گفتگو ہماری اس اجمالی تحریر میں ممکن نہیں اس لیے صرف بمقدار زعفران کے رنگ اور خوشبو کے ساتھ کام و ذہن کا بندوبست ہو سکے ہم صرف چند رباعیات اور کچھ رباعیات کے اشعار اور مصرعوں کو پیش کریں گے تاکہ خواص و عوام دیوان میں موجود تمام معنی رباعیات سے محارف اور مستفید ہو سکیں۔ میرا انیس نے تقریباً دس رباعیات حیدر کی ردیف میں نظم کی ہیں۔

ہے چادر نور حق روئے حیدر  
 خورشید ہے نقش کف پائے حیدر  
 کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو ملک  
 یہ جائے محمدؐ ہے وہ جائے حیدر

دنیا سے اٹھالے کے میں نام حیدر  
 جنت کو چلا بہر سلام حیدر  
 عصیاں ہوئے سب رہ تو رضواں نے کہا  
 آنے دو، اسے ہے یہ غلام حیدر

سانی شراب حوض کوثر حیدر  
 حامی حیدر، شفیع محشر حیدر  
 پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا  
 میں قبر سے چلاؤں کہ حیدر حیدر

=ع جامِ عرفاں ہے چشمِ مست حیدر

=ع گلدستہ باغِ دیں ہے دستِ حیدر

=ع شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدر

=ع قرآن میں ہے جا بجا ثنائے حیدر

=ع تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدر

= ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن

آئینہ نور ہے مزارِ حیدر

= یعقوب و خلیف و یوسف و آدم و نوح

سب کی مشکل میں کام آئے حیدر

(اس عمدہ شعر میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کے ناموں کے ساتھ کثرت

اضافت کے باوجود صنعتِ جمع کی درہائی اور مولا علی کی مشکل کشائی کی ضمانت

شامل ہے)

= ہاں نور محمد و علی ہے واحد

ہیں اسم تو دو مگر معنی ہے ایک



معبود کے عہد ہیں نصیری کے خدا

بندہ کوئی حیدر سا خدائی میں نہیں

”مجتہدین پاک کی شان میں خوب صورت رباعی کہی ہے کہ لوح و قلم کا مقصد ان کی مدح سرائی ہے۔“

جب لوح و قلم ہوے قرآنِ مسعّدین

فرمانے لگے یہ اُن سے ربّ کو نہیں

تم جس کے لیے ہوئے ہو دونوں پیدا

ہیں احمد و حیدر و بتول و حسنین

مشہور واقعہ ہے کہ میر انیس نے جب بچپن میں شاعری شروع کی تو اپنا تخلص حزیں رکھا۔ ہمارے درمیان کوئی منظوم تحریر ایسی نہیں جس پر یہ تخلص درج ہو۔ کہتے ہیں جب میر انیس کے والد میر غلیق نے انیس کو ناسخ کی شاگردی میں پیش کیا تو ناسخ نے میر انیس کا تخلص میر بہر علی حزیں سے میر بہر علی انیس کر دیا۔ غزل گو یوں کے مقابلے میں مرثیہ گو یوں کو تخلص کہنے کے مواقع اس لیے بھی کم ہوتے ہیں کہ ایک طرف غزل کے چھ شعر کے بعد تخلص لایا جاتا ہے اور دوسری طرف چھ سوا شعرا کے بعد بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن میر انیس نے حسب ضرورت مرثیوں اور سلاموں میں اپنا تخلص رکھا جو زبانِ زو عام ہو گیا۔

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ

چراغ لے کر کہاں سامنے ہوا کے چلے

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم  
 انیس نہیں نہ لگ جائے آب کیوں کو  
 خدا بات رکھے جہاں میں انیس  
 یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے  
 تجھ پہ ہونے کی نظر و عنایت ہے انیس  
 یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست ہے انیس

بعض غزل کے شاعروں نے اپنے تخلص سے خاص استفادہ کیا ہے جس کو صنعت  
 حسن تخلص کہتے ہیں جن میں مومن، درد، غالب، داغ اور دل وغیرہ شعرا شامل  
 ہیں۔ انیس نے سلاموں اور رباعیات میں تخلص کو مضمون کے بیان، فن کے  
 تعارف، محو اکساری اور اظہار دعاویہ اور مناجاتی انداز بیان میں صرف کیا  
 ہے۔ میر انیس کی تقریباً دس فیصد رباعیات میں تخلص نظر آتا ہے اگر ان مصرعوں  
 کو ایک موتیوں کی لڑی سے پرو کر دیکھا جائے تو میر صاحب کی شخصیت کے  
 ساتھ ساتھ ان کے فن پر خوبصورت اور صحیح معلومات بھی حاصل ہو سکتے ہیں  
 چنانچہ ہم نے بغیر کسی مزید تشریح اور توضیح کے سلسلہ دار تخلصی اشعار اور مصرعوں  
 کو یہاں رکھا ہے۔

1 بھری کی بھی دوپہر دھلی آہ انیس

ہنگام غروب آفتاب آہینچا

2 تنہائی میں آہ کون ہوئیں گے انیس

ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا

- 3 اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا  
بے سود انہیں ہر دوا کو دیکھا
- 4 سمجھے کہ خلاف رسم عالم ہے انہیں  
جس دم کسی بادام کو توأم دیکھا
- 5 ناکام چلے جہاں سے افسوس انہیں  
کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا
- 6 عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انہیں  
کیا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا
- (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر انہیں منہ ڈھانپ کے سو نہیں سکتے تھے)
- 7 اُس روز کریں گے یاد رونے والے  
جس دن نہ انہیں انجمن میں ہوگا
- (جب میر نفیس فرزند اکبر نے انہیں کی سوئم کی مجلس میں یہ شعر  
پڑھا تو سامعین کے رونے سے کہرام بلند ہوا)
- 8 اتھو اب انتظار کس کا ہے انہیں  
نے عمر پھرے گی نہ شباب آئے گا
- 9 پیاسے رہے آکے چاہ دنیا پہ انہیں  
ٹکلا بھی کبھی تو شور پانی ٹکلا
- 10 راحت دنیا میں غیر ممکن ہے انہیں  
آرام سے ہاں لحد میں سونا ہوگا

- 11 آنکھوں کو کہاں کہاں بچاؤں میں انیس
- 12 ملتی نہیں جا بزم میں تل دھرنے کی  
کشتی سے انیس ہم کنارے ہو جائیں
- 13 الٹا دریا بہا ہوا بگڑی ہے  
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس
- 14 جو منک سے ہال تھے وہ کافور ہوئے  
کچھ پھل نہ ملے گا سین تحسین سے انیس
- 15 یہ نخل ترقی کے لیے اڑہ ہے  
کچھ ہوگا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیس
- 16 جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے  
یہ بے خبری ہزار افسوس انیس
- 17 بڑھتے ہیں گنہ عمر کھٹی جاتی ہے  
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیس
- 18 جو سر رکھتا ہے درد سر رکھتا ہے  
مرنے کا تو دن گزر گیا شکر انیس
- 19 اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے  
دل بت سے اثما کے حق پرستی کیجیے
- 20 بے تیج انیس قطع ہستی کیجیے  
یہ ہے غم شہیز کی تاثیر انیس
- آوازِ قلق سوگ نہیں ہوتی ہے

- 21 نازاں نہ ہوں دل سوزی ظاہر پہ انیس  
جلتی نہیں شمع اہل ماتم کے لیے
- 22 کیوں نام کفن لے کے لرزتا ہے انیس  
اک دن یہ قبا زیب بدن ہوتی ہے
- 23 مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیس  
اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں
- 24 ہے راہ بہشت کتنی ہموار انیس  
بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں
- 25 دیکھا نہیں جس کو اس کا عاشق ہوں انیس  
جتا ہے جو بے شمع وہ پردانہ ہوں
- 26 پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس  
قبر کا جو موٹا ہے غلام اس کا ہوں
- 27 رکھ ہاتھوں کو اپنے شغل ماتم میں سدا  
پھر قصر جاناں انیس مر کر لے تو
- 28 پختہ دانہ زمیں سے اگتا ہے انیس  
سرسبز ہو کیوں کر کہ ابھی خام ہے تو
- 29 گلزار نجف میں مدح خواں ہوگا انیس  
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو
- 30 رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاؤں انیس  
اک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

31 تمام شباب کس کو کہتے ہیں انہیں

موسم طفلی کا تھا کہ بھری آئی

32 افسوس یہ عصیاں یہ تہاں دل کی

کی خوب انہیں خیر خواہی دل کی

33 ہاندھو کمر آداب بجا لاؤ انہیں

فرمان طلب حضور سے آیا ہے

34 اپنی دامادگی سے گھبرا نہ انہیں

پہنچا کوئی منزل پہ کوئی راہ میں ہے

35 عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انہیں

یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا

(اس مقطع میں بند اجل کی ترکیب بہت نئی اور عمدہ ہے۔ مزید

یہاں صنعت مراعات الظہیر کی کارفرمائی بھی ہے یعنی

عقدے، بند، حل وغیرہ)

36 جب ہوش میں آ کے تھم گئی طبع انہیں

ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اتر

37 پیدا کیا سب کچھ تو مگر آہ انہیں

زاو سفر مرگ، مہینا نہ کیا

38 مرقہ میں انہیں نہ کفن میں ہوگا

وہ روضہ سلطان زمن میں ہوگا

- 39 مضمون انہیں کا نہ چہ با اترا  
اترا بھی تو کچھ جگڑ کے نقشا اترا
- 40 سارے جگڑے تھے زندگانی کے انہیں  
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیرا نہ رہا
- 41 بالوں پہ غار شیب نکاہر ہے اب  
ہشیار انہیں تو مسافر ہے اب
- 42 اک ٹاں ہے انہیں دست دو نان سوال  
خالی ہاتھوں کو اپنے کھکول نہ کر
- 43 پیری سے بدن زار ہوا زاری کر  
دنیا سے انہیں اب تو بیزاری کر
- 44 تقدیر نے چیزیاں یہ کاٹی ہیں انہیں  
کیوں رگ گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں
- 45 نوابی و شاہی نہیں درکار انہیں  
گر سد رمق ملے سکندر ہو جائیں
- 46 صحراے نجف کو چل کے دیکھو تو انہیں  
دُر ایک طرف نور خدا ملتا ہے
- 47 اللہ ری ترے خن کی تاثیر انہیں  
رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے
- 48 اس طرح عدم سے آئے دنیا میں انہیں  
جیسے کوئی کارواں سرا میں آئے

- 49 لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیس  
خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے
- 50 آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انیس  
ہم اس کو نظر آئیں گے جو بیٹا ہے
- 51 گرتے جاتے نہیں یہ دندان انیس  
تا حال زہاں کو شوقِ دُرِ ریزی ہے
- 52 بیدار اگر ہوں بختِ خواہیدہ انیس  
صرت ہے کہ خواب میں بھی روپا کیجیے
- 53 آتا نہیں آبِ رقت پھر جو میں انیس  
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری
- 54 اللہ رے زورِ ناتوانی کا انیس  
آوازِ مرگِ دل ہے آوازِ میری
- 55 ماشاء اللہ چشمِ بد دور انیس  
کیا مجمعِ مومنین ہے کیا مجلس ہے
- 56 یوں خاکِ شفا میں سر کے مل جاؤں انیس  
غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک ملے
- 57 روتے ہو انیس کیا جوانی کے لیے  
پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی
- 58 دنیا میں بخیلوں کا ہے یہ حال انیس  
مہمان اجل آئے تو مرجاتے ہیں



59 اے اے انیس پختہ کاری تیری  
سب بال تو پک گئے مگر خام ہے تو

## انیس کی تعلیٰ اور تعارف

اگرچہ میر انیس نے اپنے تعارف میں اور اپنے فن کے کمال کی بابت کئی مرثیوں اور سلاموں کے اشعار میں تعلیٰ کی ہے لیکن چونکہ اس مضمون میں ہمارا موضوع رباعیات ہے اس لیے صرف رباعیات کے مصرعوں کے موقیٰ پنن کر انیس کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے انہی کے فن پر نچھاور کرتے ہیں۔

میر انیس نے اپنی پہلی مجلس کے آغاز میں ہی جس تاج، تخت اور علم پر افتخار کیا تھا وہ ان کی آخری مجلس تک برقرار رہا۔

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا  
ظن علم صاحب معراج ملا  
منبر چہ نشست، سر پر حضرت کا علم  
اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

اللہ اللہ عز و جاہِ ذاکر  
دربارِ حسین میں ہے راہِ ذاکر  
بچہ جو علم کا سر منبر ہے انیس  
ہے . دستِ علمدارِ پناہِ ذاکر

مجلس میں ایسے مخالف گروہ دیر پئے دونوں جمع رہتے تھے۔ دیر پئے میر صاحب کے اشعار خاموشی سے سنتے سر دھنستے لیکن منہ سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ مجلس کے اختتام پر ہم صاحب کے اشعار پر گلی کوچوں و فاقروں اور بازاروں میں گفت و شنید جاری رہتی۔ سب سے پہلے ہم پیش کرتے ہیں چند زہامیات جو ریاضتِ سخن اور کمالِ فن پر ہیں۔

مملو ذر معنی سے مرا سینہ ہے  
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے  
جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلتے  
گو یا کہ زباں کلیہ گنجینہ ہے

کہتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں  
مانند نگہ، بلند پرواز ہوں میں  
جاتا ہی نہیں، مرغِ معانی بچ کر  
کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں

مضمون گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے  
ہے صاف تو یہ، کہ قلب بے کینہ ہے  
آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انیس  
ہم اس کو نظر آئیں گے جو دینا ہے

میرا جس کی تعلق بھی حقیقت ہے یہاں عجز ہے لیکن مبالغہ نہیں۔

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے  
اک نعرۂ آفرین و تحسین ہو جائے  
جھڑتے ہیں دہن سے پھول، لفظوں کے عوض  
یاں آئے خن جیس بھی تو گل جیس ہو جائے

کس منہ سے کہوں لائق تحسین ہوں میں  
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں  
ہوتی ہے جلالت خن خود ظاہر  
کبھی ہے کہیں شکر، کہ شیریں ہوں میں

ایک اور رباعی کے آخری شعر میں کہتے ہیں:

لازم نہیں اپنے من سے تعریف انیس  
خالص ہے جو شکر آپ بو دیتا ہے

مخالفان جو ہنر کو بھی عیب کی نظر سے دیکھتے تھے اور سکوت اختیار کیے  
رہتے ان کا بھی ذکر بعض رباعیات میں دلچسپ طور پر ملتا ہے۔ ذیل کی رباعیات  
میں تندی اور مسکینی کا احتجاج دیکھئے۔

بے جا نہیں مدح شبہ میں غزا میرا  
بھرتی سے کلام ہے مزا میرا

مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا  
 مرجاتے ہیں سن کے روز مزا میرا  
 کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے  
 کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے  
 اللہ ری ترے خن کی تاثیر انیس  
 رو دیتے ہیں مثل شمع، جلنے والے

نافہم سے کب دار خن لیتا ہوں  
 دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہوں  
 جھپتی نہیں بوے دوستان یک رنگ  
 کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

ناقدری احباب سے حیراں ہوں میں  
 آئینہ فروش طبر کوراں ہوں میں  
 ہے اک نظر لطف ہماری قیمت  
 بیٹا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

انہی مجالس میں دبستان انیس اور دبیر کے درمیان مضامین کی چوری کا  
 ایک دوسرے پر الزام دینے کی رسم کا رواج عام تھا۔ دونوں طرف تھی آگ براہرگی

ہوئی۔ میرا نیس فرماتے ہیں:

کب دُزد سے دولت ہنر بچتی ہے  
لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے  
ممکن نہیں دُزدان مضامین سے نجات  
سچ ہے کہ گس سے کب شکر بچتی ہے

ایک اور رہا می کے دوسرے شعر میں کہتے ہیں:

منبر سے ہم اترے نئے مضمون پڑھ کر  
اُن کے لیے گویا من و سلوا اُترا

بہر حال اس چٹھک اور ادبی معرکہ گیری نے دونوں حریفوں کو بلند  
پایہ شعری تخلیقات پر مائل کر کے شاعری کے پلّے کو گراں کر دیا۔ کبھی انیس کہتے  
ہیں:

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار  
خبر کرو مرے خرمن کے بکتہ چینوں کو  
کبھی دیر کہتے ہیں:

دُزدان مضامین پہ نہ کر منع کی تاکید  
تو مجتہد نظم ہے فرض ان پہ ہے تقلید  
اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں عظیم شاعر بڑبان انیس یہ کہہ سکتے ہیں:

سبک ہو رہا تھا ترازوئے شعر  
مگر پلہ ہم نے گراں کر دیا

رباعیوں پر اعتراضات:

خدائے سخن میر انیس کے کلام پر جب بنگال کے رئیس نساخ نے غلطیوں کا طومار شائع کیا تو برصغیر کے ہر گوشے سے تفت و لعن کی گئی کیونکہ اغلب مرثی، سلام اور رباعیات کے غلط مصرعوں کو لکھ کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی کہ انیس جیسے قادر الکلام شاعر کے پاس ان گنت اغلاط ہیں اور مضمون صحیح نظم نہیں کیا گیا۔ بہر حال ہماری اس تحریر میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ ہم تفصیل سے نساخ کے طومار کو فتح کر سکیں لیکن یہاں رباعیوں کی نسبت سے ننگلو کو بغیر کسی تمہید اور تفسیر کے ساتھ اعتراض اور اس کا جواب پیش کرتے ہیں۔ نساخ رباعی لکھ کر اعتراض پیش کرتے ہیں۔

”مگر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے  
اس گلزار جہاں سے مثلِ بو نکلیں گے  
اس چاہ میں گرتے تو ہیں بصورتِ دلو  
پر جب نکلے یہ آبدِ نکلیں گے

اس رباعی کا تیسرا مصرع ناموزوں ہے۔ شاید بذور طبع موزوں اوزان رباعی میں کوئی نیا وزن نکال کے لکھ دیا ہے۔ ”راقم کی تحقیق کے مطابق تقریباً

ڈیڑھ سو سال قبل کے قلمی اور سوسا سو سال پرانے مطبوعہ نمونوں میں یہ رباعی صحیح  
اوزان رباعی میں اس طرح ہے:

گھر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے  
اس باغ جہاں سے مثلِ بو نکلیں گے  
جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو  
پر جب نکلے یہ آمد نکلیں گے

نسخ ایک اور رباعی کے مصرع غلط لکھ کر کہتے ہیں اس رباعی کا دوسرا مصرع  
ناموزوں ہے:

کہتی تھی سکیۂ قتلِ بابا دیکھا  
بھیا علی نصف کا خوں میں لاشا دیکھا  
زنداں میں پھنسی اور طمانچے کھائے  
اس قین برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

یہ رباعی بھی میر انیس کے کسی مطبوعہ کلام میں نہیں۔ صحیح رباعی یہ ہے:

کہتی تھی سکیۂ، گھر کا جلنا دیکھا  
ماں بہنوں کا بلوے میں نکلنا دیکھا  
زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے  
اس چار برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

جن لوگوں نے میرا نہیں کو پڑھا ہے وہ مصرعوں کے رنگ اور لفظوں کے  
ڈھنگ سے پہچان لیتے ہیں کہ جو رہا ہی نما چار مصرع سناخ نے میرا نہیں کے نام  
سے لکھ کر غلط بیانی کا الزام اپنے سر لیا وہ اُس انہیں لکھنوی کے نہیں جس کے فرمان  
کو دنیا مانتی ہے۔ جب وہ کہتا ہے:

نکبِ خوانِ تنگم ہے فصاحت میری  
ناطلے بند ہیں سُن سُن کے بلاغت میری

اس کی طرح کاوشیں جتنی نعمانی نے بھی دیر کے حق میں کیں جس کو سخن  
فہم، سخن شناس اور سخن دان حضرات کبھی بخلا نہیں سکتے۔ یہ غلط نمونہ برداری، غلط  
انتساب اور غلط نتیجہ گیری جس کا مقصد کسی تخلیق کار کی عمر بھر کی کمائی کو لٹکنا اور اس  
کی شخصیت اور فن کی ملکیت کا برباد کرنا نہیں؟ کیا یہی اوہی دہشت گردی نہیں؟ ہم  
میں کم از کم اتنی تہجد اولاد نہ ہمت ہونی چاہیے کہ ہم مصلحتِ مظلوم اور حقدار کی حق بیانی  
نہ کر سکیں تو ظالم کی بھی طرف داری نہ کریں۔ انہیں نے کہا تھا:

ع: سب کچھ ہے اس دنیا میں پر انصاف نہیں ہے



## میر انیس مشاہیر شعر و ادب کی نظر میں

ہم یہاں اردو شعر و ادب کے عظیم مشاہیر کے بیانات جو میر انیس کی قدروانی میں ہیں مختصر طور پر پیش کرتے ہیں:

مرزا غالب: اردو زبان نے انیس اور دیر سے بہتر مرثیہ گو نہیں پیدا کیے۔ ایسے مرثیہ گو ہوئے ہیں نہ آئندہ ہوں گے۔ انیس کا مرتبہ نہایت بلند ہے (یادگار غالب۔ واقعات انیس) میر انیس کے مقابلہ میں دوسرے کا مرثیہ کہنا میر انیس نہیں بلکہ خود مرثیہ کا منہ چڑھانا ہے آج ولی اور لکھنؤ میں میر انیس کی مرثیہ گوئی کو مجزؤء کلام مانا جاتا ہے۔

(حیات انیس۔ امجد اشہری)

شیخ ناسخ: ایک دن ایسا آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کی عالم گیر شہرت ہوگی۔

خواجہ آتش: کون بے وقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو۔ واللہ باللہ تم شاعر مگر ہو اور

شاعری کا مقدس تاج تمہارے سر کے لئے موزوں بتلایا گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔ بھئی اس میدان میں تمہارا سامنا ایک نہیں کر سکتا۔ انیس کے مرثیہ پر پیکڑوں غزلوں کے دیوان حدتے کئے جاسکتے ہیں۔

مرزا دیر:

تازہ مضمون نظم ی فرمود در ہر بحر شعر  
چشمِ چشم شود ہم چشم کوثر بے انیس  
آساں بے ماو کامل سدرہ بے روح الامین  
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس  
دیر میر انیس کی میت پر جا کر روئے اور فرمایا ایسے مجھریاں، فصیح اللسان اور  
قدردان کے اٹھ جانے سے اب کچھ زندگی میں لطف نہ رہا۔

محمد حسین آزاد: جس طرح انیس کا کلام لا جواب تھا اسی طرح ان کا پڑھنا  
بے مثال تھا۔ ان کے گمرانے کی زبان اُردو معنی کے لحاظ سے تمام  
لکھنؤ میں سند تھی۔ ان کے ذریعہ ہماری نظم کو عظمت اور زبان کو  
وسعت حاصل ہوئی۔

مفتی میر عباس لکھنوی:

بود از قلم اش ملیح دکان طراوت ی ز در قمش موج پہ دریائے سلاست

می رینت زکککش شکر و شیر فصاحت    برخوانِ سخن بود ازو شورِ ملاحیت  
تا رفت ہمہ نمیب ایوانِ سخن رفت    از رحلیہ او قدرت و امکانِ سخن رفت

**الطاف حسین حالی:** الفاظ کو خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کرنے کو اگر معیار کمال قرار دیا جائے تو بھی میر انیس کو اردو شعرا میں سب سے برتر مانتا ہے گا۔ میر انیس کے ہر نقطہ اور ہر محاورہ کے آگے اہل زبان کو سر جھکانا پڑتا ہے۔ اگر انیس چوتھی صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوئے اور اسی سوسائٹی میں پروان چڑھتے جس میں فردوسی پلا بڑھا تھا وہ ہرگز فردوسی سے پیچھے نہ رہتے۔ ربائی

اردو گو راج چار سو تیرا ہے    شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے  
پر جب تک انیس کا سخن ہے باقی    تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس    اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس  
دلی جز تھی تو لکھنؤ اُس کی بہار    دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا انیس

**شیخ عبدالقادر:** اڈیٹر مخزن لاہور، بابت دسمبر ۱۹۰۶ء

”میر انیس مرحوم اس جہاں سے اٹھ گئے۔ مکران کا نام زندہ ہے جب تک اردو علم و ادب اور اردو دنیا میں بولی اور سمجھی جائے گی۔ مرثیہ کو ہندستان

میں میرا انہیں مرحوم اور ان کے محاصرین کے زمانے میں وہ عروج حاصل ہوا جو کسی کے ذہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔“

”انہیں کی شاعری میں علاوہ صداقت و اثر کے شاعری کے دیگر لوازمات تمام و کمال پائے جاتے ہیں۔ تفسیر و استعارہ کے وہ بادشاہ ہیں اور کبھی تفسیر کے معاملے میں اپنے حلقے کے دیگر شعراء کی تقلید میں صحت مذاق کا خون نہیں کرتے۔ بلکہ غیر معمولی نازک خیالی و حسن بیان کا ثبوت دیتے ہیں۔ کسی خوبصورت نوجوان کے رخ پر سبزہ آغاز ہوتے دیکھ کر اس سے بہتر کیا تفسیر سوچ سکتی ہے کہ:

ع: دیکھوئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر

یا اس سے بہتر کیا مطلع، فطرت کا ثبوت ہوگا کہ خزاں کے موسم میں درختوں کے چوں کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی جائے:

ع: پتے برنگ چہرہ مدقوق زرد تھے

غرض کہ اس قسم کی نازک خیالی کی مثالیں انہیں کے کلام میں سیکڑوں کیا ہزاروں دی جاسکتی ہیں۔ نازک خیالی ان کا خاص جوہر تھا۔“

نوبت رائے نظر: لکھنؤ میں سبزی منڈی کی پشت پر ایک سنان مقام پر ایک مختصر عمارت نظر آتی ہے جس میں وہ شخص آرام کر رہا ہے جو بالمشک اور ہومر، شیکسپیر اور فردوسی ایسے یگانہ فاق شاعروں کا ہم پلہ تھا اور جس نے اردو شاعری کو حد کمال تک پہنچانے میں بد بیضا دکھایا

ہے۔ ہمارے نامور شعرا میں میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، شیخ امام بخش ناسخ، خواجہ آتش اور مرزا غالب اپنے اپنے رنگ کے موجد اور فرد کامل تھے۔ لیکن ان سب کی صلائے فن کی خوبیاں جس ذات واحد میں جمع ہو گئی تھیں وہ ”خدائے خن“ انیس تھے جنہوں نے مرثیہ کی ایک صنف میں تمام اصناف خن کا جوہر کھینچ لیا تھا۔“

(مضمون۔ میر انیس منظور۔ مطبوعہ زمانہ کانپور، بہار فروری ۱۹۰۸ء)

حزاج دہلوی: ”کبھی کسی زمانے میں لوگ بگڑے شاعر کو مرثیہ گو کہا کرتے تھے۔ مگر میر انیس سے موجد کی اختراعات و ایجادوں نے بڑے بڑے شاعروں اور ملک الشعراء کے دم بند کر دیے اور فن مرثیہ گوئی کو اہم و دشوار اور سنگلاخ سے سودا سخت کر دیا۔ یہی باعث تھا کہ ہم عصر شعرائے ہندوستان نے متفنن الزبان ہو کر کہہ دیا کہ بس حضورا حقیقی اور تحقیقی شاعر آپ ہیں۔ جیسا کہ فن مرثیہ گوئی کے بارے میں خود میر انیس صاحب کا کلام ہے۔“

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر

مگر ہم نے پلہ گراں کر دیا

لیکن اللہ رے انکساری۔ جب کوئی خن فہم آپ کی تعریف کرتا تو آپ کسی محبوب بشر سے فرماتے کہ بھائی شاعر کون ہے؟ میں تو دکڑے (مصیبت) کا کہنے والا ہوں۔ وہ بھی خدا جانے جس طرح چاہیے ہوتا

ہے یا نہیں۔“

(تذکرہ میر انیس مرحوم، صفحہ ۲-۳ از مزاج دہلوی ۱۹۰۷ء)

**شکلی نعمانی:** میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ پاؤ جو داس کے انھوں نے اردو شعرا میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے اور سیکڑوں مختلف واقعات بیان کرنے کی وجہ سے ہر قسم ہر درجہ کے الفاظ ان کو استعمال کرنے پڑے۔ تاہم ان کے کلام میں غیر فصیح الفاظ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کے کلام میں انسانی جذبات یا احساسات ایسے ہیں جہاں آکر انیس کا اصلی جوہر کھلتا ہے اور یہیں ان کی شاعری کی حد ان کے ہم عصروں سے جدا ہوتی ہے۔ میر انیس کا کلام شاعری کی تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے۔ ان کے کلام میں شاعری کی جس قدر اصناف پائی جاتی ہیں اور کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتیں۔

**اکبر الہ آبادی:** انیس کے کلام پر غور کرنا ذوقِ جنمی، نکتہ نچی اور زبان شناسی کا فائدہ دیتا ہے۔

**شاد عظیم آبادی:** ہر مرثیہ بلکہ ہر بند میں ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اس افراط و احتیاط سے لے آئے جس کی تعریف محال اور جسے دیکھ کر

عقل گنگ ہوتی ہے۔ کہہ سکتا ہوں کہ قریب ایک لاکھ لفظوں کے  
جواہر اس خوبصورتی اور بے تکلفی سے جن کر بہ سلیقہ و ترتیب جمع  
کر لیے تھے کہ اب جو چاہے اپنا دامن فکر بے کھٹکے بھر لے۔ فیاض  
مطلق کے دریائے فصاحت میں سے ایک ایک ڈر بے بہا نکلا جس  
کی زرق و برق سے ہمالیہ کی اونچی چوٹیوں سے لے کر بے آف  
بکال تک دفعتاً جگمگا اٹھا۔ وہ کون۔ میر انیس، بعض بعض سچے شعر  
میر تقی میر کے اور اس کے بعد حقیقت کا انشائے راز کرنے والے  
اکثر فطرتی اشعار انیس کے اگر پڑھے جائیں تو اردو کا بیٹا کار اور  
انگریزی سے واقف کار شاید شیکسپیر سے پیچھے ان دونوں بزرگوں کو  
نہیں رہنے دے گا۔

امجد اشہری: مناظر قدرت اور جذبات فطرت کی تصویر کشی کا کمال اردو شاعر  
اب میں میر انیس کا حصہ سمجھا جائے۔ میر انیس کی شاعری میں ایک بڑا  
کمال یہ ہے کہ جس موقع پر جو الفاظ خاص اثر دے سکتے ہیں وہی  
الفاظ استعمال کرتے تھے۔ میں نے میر انیس کو کھنؤ میں مرثیہ پڑھتے  
دیکھا ان کے اعجاز و وضاحت کے اظہار میں میری زبان قاصر ہے۔  
آنکھوں نے جو دیکھا اس کے لیے زبان نہیں جو وہ کچھ کہہ سکے اور  
زبان جو کچھ کہہ سکتی ہے۔ وہ اس کی ان دیکھی بات ہے۔

احسن لکھنوی: خدائے سخن میر تقی میر کے چھ دیوانوں سے (۷۲) نثر ارباب بصیرت نے انتخاب کیے ہیں اور میر انیس کے ترکش میں کتنے تیر ہیں یہ آج تک کوئی شمار نہ کر سکا۔

جلد علی خاں میر شکر لکھنوی: میر انیس کی نسبت خدائے سخن سے کم درجے کے الفاظ بولنا سوائے ادب ہے۔

الہ او امام اثر: شعرائے نامی یعنی ہومر درجل اور فردوسی میں الہا شعرا ہومر ہی ہے جس کے ساتھ میر صاحب کا موازنہ صورت رکھتا ہے۔ درنہ درجل جو ہومر کا متبع ہے میر صاحب کا ہرگز ہم پایہ نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ ان کی ہم پائیگی کا استحقاق فردوسی کو حاصل ہے۔ میر صاحب کو فردوسی ہند کہنا میر صاحب کی ایک بڑی ناقدہ شناسی ہے۔ راقم کی دانست میں میر صاحب کی کریکٹر نگاری ہومر کی کریکٹر نگاری سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ بلاشبہ دھک میر صاحب وہ الہامی شاعر ہیں کہ تائیدِ نبی کے بغیر میر صاحب کا کمال کوئی بنی آدم پیدا نہیں کر سکتا۔ میر انیس کا مویہ من اللہ ہونا ایک امر یقینی ہے۔

ڈپٹی نظیر احمد: آپ دیکھئے کہ حق تعالیٰ نے ایک اردو شاعر انیس کو کیسی قدرت عطا فرمائی اور اس کے قلب پاک کو کیا نور بخشا ہے کہ وہ خاصانِ خدا کے



ارواح پاک کی باتوں کو اس پاک و صاف طریقے سے نظم کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہی ارواح پاک بول رہی ہیں اور یہ بات بغیر الہام کے غیر ممکن ہے۔ اس لیے میری رائے میں اور شعراء دنیا میں آکر اپنے کب علوم سے نامور ہوتے گئے۔ لیکن میر انیس وہیں سے شاعر بنا کر بھیجے گئے تھے اور مدارج اعلیٰ پر فائز ہوئے۔

### ڈاکٹر گراہم بلی:

"Anis employed an enormous number of words but preferred a simple, easy and flowing style. His family is famous for the use of pure and idiomatic Urdu. He had a wonderful power of description. This is seen best when he depicts human feelings, especially pathos and bravery or scenes of nature and fighting. He writes as if he had been present himself on the occasion which he describes and as if the people had spoken the very words which he has put down"

(History of Urdu Literature (P.60) by Dr. Graham Baily)

نظم طباطبائی: میر انیس کے مرثیے پر تبصرہ کرتے ہوئے طباطبائی نے مرثی کی

اہمیت اور خصوصیات کو اس طرح بیان کیا ہے: "اس محفل میں یگانہ و یگانہ، آشنا و نا آشنا، زباں واں و بے زباں سب اس کے مشتاق ہیں۔ کان اس آواز کو ڈھونڈتے ہیں جو دل دکھاوے۔ آنکھ اُس رنگ کو پسند کرتی ہے جو کوئی سماں دکھاوے۔ خدا نے ہر انسان کو زبان اور زبان کو قوت بیان عطا کی ہے لیکن ہر بیان میں سحر اور ہر زبان میں اعجاز نہیں ہوتا۔ ہر زمین سے خزانہ نہیں نکلتا۔ ہر بدلی سے بُن نہیں برستا۔ رونا ہنسنا کس کو نہیں آتا۔ مگر کسی کے رونے میں موتی بکھرتے ہیں، ہنسنے میں پھول جھڑتے ہیں۔ بہت لوگوں نے چورنگ لگانے کی کہا وہ کھینچنے کی مدتوں مشق کی ہوگی، مگر ایک شخص ہے کہ اس کا دار خالی ہی نہیں جاتا۔ نشانہ کسی خطا نہیں ہوتا۔ جو زبان سے نکلتا ہے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔" اس کے بعد نظم طہا طہائی نے انیس کا یہ مصرع پیش کیا۔

ع: جان آگنی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

پھر کہتے ہیں: "دیکھنے میں ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس مقام کو دیکھیے جس مقام پر یہ بات اُن کی زبان سے نکلی ہے اور کتنے معنی اس مصرعے میں بھرے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہجوم فوج میں بھائیوں کا ساتھ چھوٹ گیا تھا۔ دونوں شہید ہونے کی آرزو میں آئے تھے۔ ایک دوسرے کو سمجھا کہ شہید ہو گیا کہ یکا یک:

جب شیر سا پہنچا وہ ادھر یہ ادھر آیا  
 جاں آگئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا  
 یہاں بھائیوں کے قلب کی کس حالت کو شاعر نے دکھایا اور کتنے  
 بڑے مضمون کو چار لفظوں میں سمجھایا ہے۔ کیا اس کے سحر حلال ہونے  
 میں کچھ کلام ہے۔"  
 (مرثیہ کا مطلع ہے۔ "ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں" ترقی)

مولانا عبدالحی عسوی: "انیس نے بیان کرنے کے نئے نئے اسلوب اردو  
 شاعری میں بکثرت پیدا کر دیے۔ ایک واقعہ کو سوسو طرح سے بیان  
 کر کے قوتِ تخیل کی جولانیوں کے لیے ایک نیا میدان صاف کر دیا  
 اور زبان کا ایک متحدہ حصہ جس کو اب تک شاعروں کے قلم نے مس  
 تک نہیں کیا تھا اور جو محض اہل زبان کے بول چال میں محدود تھا اس کو  
 شعراء سے روشناس کر دیا۔"

پنڈت سندر نارائن مشران: ایک بزرگ شخص نے حضرت انیس کے مرثیہ  
 پڑھنے کا حال بیان کیا کہ پہلے وہ جس وقت منبر پر جاتے تھے تو مجلس  
 میں خاموشی اور سناٹا ہو جاتا تھا۔ کوئی بات کسی سے نہ کرتا تھا۔ پہلے وہ  
 آستین چڑھاتے تھے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے دل ہلنے لگتے تھے۔ پھر  
 جب وہ مرثیے کا ہست ہاتھ میں لیتے تھے تو رقیق القلب سامعین کو

وقت شروع ہونے لگتی تھی۔ صرف چشم وادہ کے اشارے سے جذبات کو ادا کرتے تھے۔ انہیں کی فطرت شناسی، واقعہ نگاری، منظر کشی، انہیں کی رفعت تخیل غرض انہیں کی شاعری کا ہر ہر پہلو ادبی صلاحیتوں کا شاندار مظاہرہ کرتا ہے۔

(خطبات مشران، صفحہ ۴۶، بزم اول مرتبہ حسین امروہوی مطبوعہ سرفراز قوی پریس لکھنؤ ۱۹۴۳ء)

براج نرائن چکبست: زبان اور شاعری کی آئینہ اصلاح کے لیے میر انہیں کے اندازِ سخن اور رنگ بیان کا صحیح اندازہ کرنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ جس غیر صحیح مذاقِ سخن کی بنیاد پر ہم قدیم رنگِ سخن کی قدر نہ کر سکے اس کی مدد سے ہم زبان و شاعری میں نئے جوہر نہیں پیدا کر سکتے۔ رام چندر جی پر طویل مثنوی میں چکبست اقرار کرتے ہیں کہ "انہیں سے انہیں وہ ادبی اور شعری تربیت اور ہدایات ملی تھیں جن کے بغیر وہ اپنے ایک ایک میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔"

ذکاء اللہ: شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ سابق پرنسپل عربی کالج الہ آباد لکھتے ہیں کہ میر انہیں کی وضاحت بیان اور ان کے طرز بیان کی دل فریب آواہوں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس

سے پہلے کبھی ایسا خوش بیان نہیں سنا اور نہ کسی کے ادائے بیان سے یہ مافوق العادت اثر پیدا ہوتے مشاہدہ کیا۔

امیر احمد طلوی: ایک دن وہ تھا کہ میر صاحب نے فرمایا تھا ۔

گر قدر داں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب

جلدی مدد کریں گے شہ آساں جناب

اور ایک وقت وہ آیا کہ انہیں کی زبان سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ قدر شناس موتیوں اور جواہرات کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان کا کلام تحفہ کے طور پر دوسرے شہروں کو بھیجا جاتا تھا۔

عبدالحلیم شرر: میر انہیں میں ساری تکلف اور جذبات انسانی پر حکومت کرنے والی زبان کی وہ خوبیاں تھیں جو سوائے مبدائے فیاض کی عنایت کے سیکھنے سے نہیں آسکتیں۔ انہوں نے فن مرثیہ گوئی کو شاعری کی اور تمام اصناف سے بڑھا دیا اور اردو ادب میں وہ نئی چیزیں پیدا کر دیں جن کو انگریزی تعلیم کے اثر سے طبیعتیں محفوظ نہ لگی تھیں۔

سرتاج بہادر سپرو: انہیں ایک فطری اور پیداؤٹی شاعر تھے۔ شاعری ان کی کھٹی میں پڑی ہے۔ پاکیزہ اور نکھری ہوئی اردو کے ماہر کی حیثیت سے ان کا کوئی ہمر نہیں۔ جدید ترکیبیں وضع کرنے کے نازک فن میں آج

تک کوئی ان سے آگے نہ جاسکا۔ ان کی تشبیہیں اور استعارے فطرت، حیاتِ انسانی اور جذبات کی نامعلوم گہرائیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار میں بلا کی آمد ہے۔ ان کی زبان اس قدر پُر شکوہ ہے اور ان کی شاعری فنی حیثیت سے اس قدر مکمل ہے کہ ناقد کو ان کے باب میں مجالِ سخن نہیں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی دوسرے مصنف نے ہمارے لئے انہیں سے زیادہ گراں قدر خزانہ نہیں چھوڑا۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ زبانِ اردو میں انسانی دماغ کے عمیق ترین خیالات و جذبات کے اظہار کا ذریعہ بننے کی کس قدر اہلیت ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اردو میں کتنی استعداد اور صلاحیتیں موجود ہیں۔

مختور اکبر آبادی: "یونانی میں جو درجہ ہوتر یا فارسی ادب میں جو مقام فردوسی کا ہے وہی اردو میں انہیں کا ہے۔ انہیں سے پہلے مرثیہ صرف مذہبی و اعتقادی صنف نظم سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی نمایاں ادبی اہمیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ یہ فخر انہیں کا حصہ ہے کہ اردو زبان میں ایسے نئے اور پُر مغز باب کا ایسی قدرت اور حسنِ کمال سے اضافہ کیا۔ مرثیے میں بیکری حیثیت سے جو قوت و اثر لطافت و تازگی، سلاست و روانی انہیں نے پیدا کر دی وہ اب تک حقدوموں

سے ممکن نہ ہوئی تھیں۔ ..... بہر عنوان مناظر کی نقاشی، میدان جنگ کی مصوری اور محبت کے علاوہ جرأت، ایثار، شرافت، انصاف، حق پسندی، حق گوئی جیسے بلند انسانی جذبوں کی مرقع کشی کے باب میں انہیں کے مرثیے ایلینڈ، ایڈنڈ، رامائن، مہابھارت اور شاہنامہ جیسی مقتدر اور معصم بالشان لفظوں کے شاہکار ہیں جن سے اردو شاعری کا اخلاقی و تمدنی درجہ بہ مراتب بلند اور بہ منازل اہم ہو جاتا ہے۔“ (صحیفہ تاریخ اردو، از سید محمد مخدوم رضوی اکبر آبادی، صفحہ ۲۲۷-۲۲۹ سال اشاعت ۱۹۳۶ء)

## جوش ملیح آبادی:

تیری ہر سوچ نفس روح لامیں کی جان ہے تو مری اردو زباں کا بولتا قرآن ہے  
 رزم کے میدان میں تو چلتی ہوئی تلوار ہے بزم کی محراب در میں تلک گوہر بار ہے  
 اے امام کشور جادو بیانی السلام اے کلیم طور الفاظ و معانی السلام

پروفیسر مسعود حسن ادیب: انہیں نے فن کو اس معراج پر پہنچا دیا کہ نقاد کو ان کے باب میں حمال سخن نہیں۔ شاعری کی جو تعریفیں کی گئی ہیں اس سے کہے جو کما سن قرار دیے جگتے ہیں اس کے جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان سب کے اعتبار سے انہیں کے مرثیوں کا شمار اعلیٰ درجے کی شاعری میں ہوگا۔ ایسی جامع صنف سخن ایسی مرثیے کے سوا اور کون ہے۔

جعفر علی خاں اثر: کیا بے جا ہے اگر ہم انیس کو زبان اردو کا محسن اور اس کو دنیا کی بڑی سے بڑی زبان کا ہم پلہ بنادینے والا مانتے ہیں کہ ہم میں انیس سا شاعر پیدا ہوا۔

ابوالکلام آزاد: دنیائے ادب کو اردو ادب کی جانب سے میرا انیس کے مرثیے اور مرزا غالب کی غزلیں تحفہ تصور کی جائیں۔ ادبیات اردو اور زبان اردو کو قصر گمنامی سے نکال کر مرثیہ انیس نے بین الاقوامی ادبی سطح پر پہنچا دیا۔

پروفیسر احتشام حسین: میرا انیس نے مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ مرثیہ خوانی کو بھی ایک ایسی بلندی تک پہنچا دیا جس کا اب تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ میرا انیس کی شاعری کے وہ پہلو جس میں دنیا کے بہت کم شاعر ان کے مد مقابل قرار دیئے جاسکتے ہیں وہ ان کی انسانی نفسیات سے واقفیت اور اسی کی مصوری ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی: اردو زبان میں واقعہ نگاری کی بنیاد صرف مرثیہ گوئیوں نے ڈالی ہے اور میرا انیس نے اس کو معراج کمال تک پہنچایا جس کی مثال اردو کیا فارسی میں بھی مشکل سے مل سکتی ہے۔



ڈاکٹر اعجاز حسین: انہیں کو زبان پر وہ قدرت حاصل ہے جو خالق کو مخلوق پر۔ جن الفاظ سے جس موقع پر جو کام لینا چاہتے ہیں وہ خامانہ اطاعت کے ساتھ حکم بجالاتے ہیں۔

پروفیسر کلیم الدین احمد: انہیں روزمرہ کا استعمال نہایت خوبی سے کرتے تھے۔ ایسا مظلوم ہوتا ہے کہ کوئی باتیں کر رہا ہے۔ زبان میں روانی اور برش ذوالفقار کی سی تھی۔ اثر میں حیر و شتر سے کم نہیں۔ اگر انہیں سے پہلے اور بعد کی شاعری پر نظر غور سے دیکھا جائے تو اس بات کا صحیح اندازہ ہوگا کہ انہوں نے اردو شاعری کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ انہوں نے مرثیے کو اردو نظم میں بلند ترین مقام دیا اور یہی وہ صنف شاعری ہے جس نے ہماری زبان کو شائستہ زبان کا ہم پلہ بنا دیا۔ اگر اسطو کا یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ شاعری دراصل مصوری ہے تاہم یہ بلا جامل کہہ سکتے ہیں کہ میر انہیں کو دنیا کے شعرا میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری: میر انہیں اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں ایک کی جملہ خوبیاں بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔ انہیں کی رزم نگاری سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ شاعر تھے۔ مورخ نہیں۔ انہیں کی خدا واد صلاحیت کی بلندی اس سے ظاہر ہوتی

ہے کہ انہوں نے ہر مرثیہ کے واسطے اُسے ہی واقعات منتخب کیے جو ایک نظر میں سہاکتے ہوں اور پورے کے پورے ایک ہی نشست میں سنے جاسکتے ہوں۔

شاعر اہل بیت عجم آندری:

جو اہل دل ہیں سمجھتے ہیں وہ مقامِ انیس  
ہے فنِ مرثیہ گوئی میں اہتمامِ انیس  
حسیّت کی جو خدمت انیس نے کی ہے  
رہے گا تا بہ قیامت بلند نامِ انیس

پروفیسر ایس جی عباس، کراچی

"Anis had the power of expressing one and the same thing in manifold ways. He was well versed in the art of expanding and compressing a passage, He had such a rich and inexhaustible stock of words which no other poet of Urdu, nor Probably any poet in any other language except John Milton, appears to have possessed. He was an accomplished master of synonyms which found a prominent place in his poetry,

Similarly, he described an event either fully or partly and in a variety of ways but his description was highly natural and life-like. At the same time it never tended to be heavy, monotonous and uninteresting. Similarly, the effect of his poetry was never lost even for a moment" (The Immortal Poetry and Mir Anis p164 by Prof. S.G.Abbas-Karachi, 1983)

صالحہ عابد حسین: میر انیس نے صرف مرثیہ ہی کو معراج کمال پر نہیں پہنچایا بلکہ اردو کے خزانے کو بھی مالا مال کیا ہے۔ ان کے ضخیم کلام میں ایسے ایسے کمالات زبان اور بیان کے ایسے ایسے معجزے ملتے ہیں جن کو سمجھنے اور پوری قدر کرنے کے لیے ابھی اور بہت وقت درکار ہوگا۔ ان کے کلام کو جتنا پڑھتے جائے اس پر جتنا غور و خوض کرتے جائے بس ذہن خود ان ہی کا یہ شعر دہراتا رہتا ہے۔

کسی نے تری طرح سے اے انیس  
عروسی خن کو سنوارا نہیں

پروفیسر گوپی چند نارنگ: انیس نے دراصل وہ کیا جو کسی بھی قوم یا کسی بھی ملک یا کسی بھی عہد میں کوئی بڑا شاعر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عقیدے

کی اصلیت کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی زندگی اور اپنے سماج کی سچائی کی  
 نہیں بھی چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ قاری اور تخلیق کی اس موافقت سے  
 انیس کے کلام میں وہ وحدت تاثیر پیدا ہوئی ہے جس پر اردو ناز کرتی  
 ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی انیس کے پورے کلام میں چاندنی کی  
 طرح پھیل ہوئی ہے اور اس کی بدولت بھی وہ ہمارے دلوں سے اس قدر  
 قریب ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر شبیر الحسن: میرا انیس کی فنی کرشمہ سازی کا ایک حیرت آفرین کمال یہ ہے کہ  
 وہ اپنے مرثیوں کی بیت میں بڑی مہارت کے ساتھ رباعی کے چوتھے  
 مصرعے کا سارا زور حسن پیدا کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ نازک ہنران  
 کی فن کاری کی عظمت کا واضح ثبوت ہے۔

رام بابو سکسینہ: بہ حیثیت شاعر کے انیس کی جگہ صوبہ اولین میں ہے اور بعض  
 لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کو اردو کے تمام شعرا سے بہترین اور کامل  
 ترین سمجھتے ہیں اور ان کو ہندوستان کا شکسپیئر اور خدائے سخن اور نظم اردو  
 کا ہومر، اور درجہ اول اور ہائیک خیال کرتے ہیں۔ ... انیس صاحب  
 محاورہ کا حد درجہ خیال رکھتے تھے اردو میں سیکڑوں نئے محاورے ان  
 کے دم سے آئے اور سیکڑوں پرانے محاوروں کا بھی استعمال انہوں نے  
 سکھایا۔

سفارش حسین رضوی: انہیں کا کلام زمان و مکان کی قید و بند سے آزاد ہے وہ رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ میرا انہیں یعنی میر حسن کے فن اور میر خلیق کی زبان کے امتزاج سے تیار کیا ہوا مرکب جس میں شاعر کے ذہن کی آب اور طبیعت کی تاب ہے۔“

حسین امر دہوی:

انہیں چہرہ نویس نگاہ شعر و سخن کمال فکر کا اک معجزہ انہیں کا فن  
دماغ شعر ہے طبع انہیں سے روشن کہ صدق و حق ہے تخیل میں اس کے جلوہ  
ظہن

سخن میں جذبہ و احساس کو رواج دیا  
ہر ایک نفس کو بالکل نیا مزاج دیا

سردار جعفری: میں انہیں کا شمار اردو کے چار عظیم شعرا میں کرتا ہوں۔ باقی تین میر، غالب اور اقبال ہیں۔ مرثیے سے نظم نگاری تک ہر سفر میں انہیں کی شاعری نے میری بہت رہنمائی کی ہے۔ انہیں کے اثرات جوش کے یہاں بہت واضح ہیں اور اقبال کے یہاں بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ بیسویں صدی کی نظم کی زبان کو انہیں انیسویں صدی میں مستند بنا چکے تھے۔ (مضمون انہیں کی معجز بیانی)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری: یوں تو انہیں کا شمار اردو کے ممتاز ترین شاعروں میں ہوتا ہے لیکن کسی قدر تعجب کی بات ہے کہ ان کی زندگی اور فن پر کوئی جامع کتاب مرتب نہ ہو سکی۔ یہ انہیں جیسے صاحب کمال شاعر پر بہت بڑا عظم ہے۔ میر انہیں سے ہماری بے اعتنائی کا یہ اثر ہوا ہے کہ وہ مجالس عزاء اور عشرہ محرم کے شاعر بن کر رہ گئے۔ ان کی وہ شاعرانہ بڑائی جس کے سبب ان کا نام دنیا کے بلند پایہ رزم نگاروں اور اردو کے ممتاز ترین شاعروں کے نام کے ساتھ کیا جاتا ہے نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔

مولانا کوثر نیازی: انہیں کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر کے زوال آٹھ اسلامی معاشرے میں ان قدروں کو مرثیہ کی شکل میں محفوظ کر دیا ہے جو مذہب اسلام کی تہذیب و ثقافت کا اصل مظہر ہیں۔ یہ ان کا بہت بڑا اولیٰ اور ثقافتی کارنامہ ہے۔ ہماری نوجوان نسل اگر ان اخلاقی قدروں کو پورے شعور اور اعتماد کے ساتھ اپنالے تو ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ انہیں کی تراوش فکر نے جو مضامین نو کے انبار لگائے ہیں ان سے خوش چینی کے بغیر نہ اردو زبان آسکتی ہے اور نہ اردو ادب کا مطالعہ مکمل ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر ناظر حسین زیدی: اب تک انہیں کو محض مذہبی شاعر سمجھا گیا ہے اور اس

کے کلام پر صرف ایک فرقہ کی اجارہ داری تسلیم کی گئی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ اسے مذہبی شاعر سمجھنے کے بجائے آفاقی شاعر کی حیثیت سے دیکھا جائے اور شاعری کے مسلمہ عالم گیر معیاروں پر اس کا کلام جانچ کر اہل زمانہ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ادب کے بھر اس کا صحیح درجہ پہچان لیں۔

مہاراجہ کشن پرشاد: اگر انیس نہ ہوتے تو فنی شاعری کے لیے آزاد، حالی، جلیست اور ربیع کو بڑے ہمت شکن تجربے کرنے پڑتے اور شاید کامیابی نہ ہوتی۔

لالہ سری رام: میر انیس مرحوم صرف مرثیہ گو یوں ہی کے سر تاج نہ تھے بلکہ زبان اردو کے ایک بڑے محترم اور مستند سرپرست، فن سخن کے مسلم الثبوت اور قادر الکلام استاد تھے۔

پروفیسر محی الدین قادری زور: دنیا کی عظیم الشان نظمیں جن کی زبان اور خیالات نے اپنے اپنے ملک و قوم کی ذہنیت اور اخلاق و عادات کی اصلاح کی حسب ذیل ہیں۔ ایلڈ، مہابھارت، رمان، پراڈائز لاسٹ، شکسپیر کے ڈرامے اور شاہنامہ۔ گوان تمام کے مصنفین زندہ جاوید فلسفی مت و شاعر اور بلند خیال معلم اخلاق ہیں۔

ان کے دماغوں کی ساخت میں یکسانیت نمایاں ہے اور ان کے خیالات میں اس درجہ وسعت نظر آتی ہے کہ ان کا کلام انسانی طاقت سے باہر نظر آتا ہے لیکن ان سب شہکاروں پر ظاہری و معنوی دونوں حیثیتوں سے مراٹھی انجس کو فوقیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر مسیح الزماں: انجس کا شمار اردو کے اُن عظیم شعرا میں ہے جن کے احسان سے اردو شاعری کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

شاربِ روولوی: یہ میر انجس کی کردار نگاری کا عظیم کارنامہ ہے کہ وہ بنے بنائے اور تاریخی کرداروں کو زندہ اور متحرک بنا کر پیش کرتے ہیں۔ میر انجس کردار کو زندگی کے تقاضوں سے اس قدر ہم آہنگ کر دیتے ہیں کہ ان کی مثالی یا تاریخی ہونے کا شبہ تک نہیں ہوتا اور سامع اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اس کے قریب کا کوئی آدمی ہے یہ اُن کے فن کا معجزہ ہے۔

امیر امام محمّد: انجس کو اپنی ثقافتی تاریخ میں جو واقعہ غیرت دلانے اور ہمت بڑھانے کے لئے نظر آیا تو وہ کرپا کا عظیم الشان اور جلیل القدر معرکہ تھا۔ اس میں انجس کو اخلاقیات، نفسیات، خود داری، شجاعت اور صبر و حریت کے جوہر نظر آئے جنہیں اس باکمال شاعر نے سلکِ نظم میں پرو کر اردو ادب میں ایک نیا فانی اور نگر اس ماہیہ اضافہ کر دیا۔



شہید صنی پوری: اصول تنقید میں یہ امر مسلمہ حیثیت رکھتا ہے کہ کسی شاعر کے کلام کو سمجھنے کے لیے نقاد کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ زندگی کو اپنے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ شاعری کے زاویہ نگاہ سے دیکھے۔ مذہب اور شاعری کا ایک ایسا احتزاج جب مذہب مذہب نہ رہے شاعری بن جائے اور شاعری شاعری نہ رہے مذہب بن جائے ایک معجزہ ہے اور ایسے معجزے روزانہ ظہور میں نہیں آیا کرتے۔ قدما کا ایسا سب سے پہلا شاعر ہوتر تھا اور متاخرین کا سب سے آخری شاعر انیس تھا۔ مذہبی شاعری ہوتر سے شروع ہو کر انیس پر ختم ہو گئی۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں: میر انیس زبان کے بادشاہ تھے۔ ایک ایسے جوہری تھے جو الفاظ کو تراش کر استعمال کرتے تھے اور جس کی آب و تاب سے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ میر انیس نے فنِ مرثیہ گوئی کو حدِ کمال کو پہنچا دیا۔

انور سدید: اس سے بڑھ کر انیس کے کلام کی قدر کی ناشناسی کی دلیل کیا ہوگی کہ ان کے فن کی تحسین موازنہ انیس اور دبیر سے آگے بڑھ نہ سکی۔ میر انیس کے اشعار میں بے پناہ روانی اور تحرک ہے لفظوں قافیوں اور ردیفوں کا ایک سیل بے پناہ ہے کہ لمحہ بہ لمحہ واقعات کے موتی اگلتا

ہے اور قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور قاری ہے کہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے اور معنی و مفہوم کے عمیق باطن میں غوطہ لگانے میں ہی اپنی عافیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ حرکت اور روانی میر انیس کے فن کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ ان کے مزاج کا ایک اہم زاویہ بھی ہے۔

ڈاکٹر غیر مسعود: بڑے اور حقیقی شاعر کی پہچان یہ ہے کہ اس کی اہمیت اس کے عہد سے لے کر بعد کے آنے والے ہر دور میں برقرار رہتی ہے۔ اردو میں اس معیار پر پورے اترنے والے شاعر میر، غالب، انیس اور اقبال ہیں جنہوں نے اپنے اپنے عہد سے لے کر آج تک اپنی اہمیت برقرار رکھی ہے۔ اصلی شاعری میں معنی اور آہنگ الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ شعر کی آدھی معنویت اس کے آہنگ میں آدھا آہنگ اس کی معنویت میں پوشیدہ رہتا ہے۔ اردو میں غالب، انیس اور اقبال کے یہاں معنی اور آہنگ کا ادغام کامل ہے اور انیس کے یہاں اس ادغام کی جتنی مختلف النوع صورتیں نظر آتی ہیں اتنی تو غالب اور اقبال کے یہاں بھی نظر نہیں آتیں۔

ڈاکٹر فضل امام: انیس نے اپنے فکر و فن کی وسعتوں سے صرف اردو مرثیہ نگاری کو ہی توانا اور موثر نہیں بنایا ہے بلکہ اردو شاعری کو با آبرو بنادیا۔ اگر

مراثی انیس نہ ہوتے تو جدید نظم نگاری کی بنیاد اور ابتدا کا تصور ہی ایک  
ہر محال تھا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ: انیس کے کلام میں زخموں کے گلستان کھلے ہیں۔ وہ دُغم اہل  
صحت کے بھی ہیں اور ان کے اپنے دل کے دُغم بھی۔ فرق صرف یہ  
ہے کہ میر تقی میر رو کر اوروں کو صرف رلانا ہی جانتے ہیں۔ انیس  
روتے اور رلاتے بھی ہیں مگر اس طرح کہ رونے والا محفوظ بھی ہو سکتا  
ہے اور یہ حظ اس تہذیب غم سے پیدا ہوتا ہے جس نے انیس کے  
مرثیوں کو دنیا کی شاعری میں ایک منفرد اور برتر مقام عطا کیا ہوا ہے۔

ڈاکٹر شان الحق حقی: انیس کے مراثی میں ڈرامائی انداز اور ڈرامائی فضا اتنی عام  
ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انیس کے ہاں ڈراما بیانیہ شاعری  
کے ساتھ ہی ساتھ موجود ہے اور بعض مرثیوں میں بیان پر حاوی نظر آتا  
ہے۔ یوں تو انیس کا کوئی بھی مرثیہ مکالمے اور ڈرامائی مناظر سے خالی  
نہیں لیکن ایسے بھی مرثیے ہیں جو بیشتر تقریر و مکالمے پر مشتمل ہیں۔  
انیس اپنی طرف سے اتنا نہیں بولتے جتنا کہ ان کے کردار بولتے نظر  
آتے ہیں۔ انیس کے مرثیوں میں مناظر کو اسٹیج پر برپا کرنے کی  
ضرورت یا کی محسوس نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر وقار عظیم: انیس کے فن کارانہ تصرف کے بعد قومی شاعری ایک مستقل سانچا بن گئی۔ حالی کے مُدس اور اقبال کے شکوہ اور جواہر شکوہ میں اسی کا عکس ہے۔

فضل قدیر: میر انیس ایک عظیم شاعر ہی نہیں ایک عظیم انسان بھی تھے۔ انہوں نے مشاہدہ حق کی گفتگو کی ہے لیکن با وضو اور پُر تقدیس انداز میں۔ ان کے کلام میں ایک بھی شعر ایسا نہیں جس میں مذہبی معتقداں پر اشارت بھی کوئی چوٹ کی گئی ہو۔ انیس مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کے سخت مخالف تھے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کو متحد اور مضبوط دیکھنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر فدا حسین: واقعہ نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تب اس کو مرقع نگاری یعنی آج کل کے محاورے میں سین بھنچا کہتے ہیں اور یہ کمالِ فردوسی اور انیس ان دونوں ہستیوں پر شتم ہو گیا۔ جہاں بھی جو واقعہ بیان کیا گیا اس کی ایک زندہ تصویر پیش کر دی۔

سید ہاشم رضا:

جہاں میں سلطت شاہی کو مختصر دیکھا      سخن میں حیرتی خدائی کو معتبر دیکھا  
سند میں شعر ترے مستند زبانِ حیرتی      ترے ہنر کا ہے پرتو جدھر جدھر دیکھا

ہر ایک بحر میں تو نے گہر فشانی کی ہر ایک بیت میں ہیروں کو منتشر دیکھا  
خزانہ تو نے لٹایا ہے شعر و معنی کا جسے بھی فکر ہوئی اس نے تیرا درد دیکھا

حامد حسن قادری: ”میر انیس نے مرثیہ کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ مرثیے کے تمام اجزا بہترین اسلوب کے ساتھ لکھے۔ مرثیہ کی جملہ خوبیاں زبان و ادب کے لحاظ سے ایسی پیدا کیں کہ ان سے بہتر تصور میں نہیں آسکتیں۔ خصوصاً مناظر و جذبات کی محاکات (تصویر کشی) میں تمام محققین و معاصرین سے ممتاز ہیں۔ بین اور الم کے مضامین بھی سب سے زیادہ دل گداز تھے۔“

(تاریخ و تنقید، صفحہ ۱۱۱ تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء آگرہ)

احسن فاروقی: انیس شاعروں کا شاعر ہے اور جسے شاعری یکسوی ہے اسے انیس کے در کی چہ سائی کرنی پڑے گی۔

سید عابد علی عابد: انیس کا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر صنف کے رمز سے فائدہ اٹھا کر مرثیے کو ایک ایسی چیز بنا دیا جس میں مثنوی، قصیدہ، غزل، ڈرامہ، داستان سب ہی چیزوں کا رنگ جھلکتا ہے اور اس کے باوجود اس صنف سخن کی انفرادیت قائم رہتی ہے۔

آل احمد سرور: اردو شاعری میں میر انیس کا درجہ بڑے شاعروں میں بھی بہت بڑا ہے۔ پڑھنے والا انیس کی خطابت ان کی جادو بیانی اور ان کی عقیدت کے سیلاب میں بہہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر وحید اختر: انیس کا اثر بعد کی نسلوں پر گہرا ہے کہ اسے سمجھے بغیر اردو نظم کے لب و لہجہ کو سمجھنا ممکن نہیں۔ چلبست کے مسدس تو صاف انیس کا ہے۔ نظر آتے ہیں۔ اقبال کے مسدسوں ہی میں انیس کا پرتو نہیں بلکہ دوسری نظموں میں بھی انیس کے اسلوب کا عکس جھلکتا ہے۔ جوش جن کے لیے کہا جاتا ہے کہ اردو میں الفاظ کا اتنا بڑا جادوگر دوسرا نہیں ہوا انیس ہی سے کب فیض کرتا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر: میر انیس مرثیہ نگاری کو ایک ایسا ہمہ گیر اور بامقصد آرٹ سمجھتے تھے جو افادیت و مقصدیت اور سادگی و پُرکاری اور بے خودی و ہوشیاری کا بہترین امتزاج ہو۔ اس لئے انیس کے ساتھ ”توصیف“ اور ”رقت“ کے ساتھ تعریف کے التزام کو ضروری تصور کرتے تھے۔

احمد ندیم قاسمی:

جہان شعر کا اک ایک نامور دیکھا      انیس تجھ سا نہ کوئی بھی باہر دیکھا  
ہیں متفق سبھی اہل ہنر کہ تیرا مثیل      نہ تیرے بعد ہی دیکھا نہ جیستر دیکھا

سید فیضی:

پروردگار شعرِ خداے سخنِ انیس نورِ تخیلات کا ہے ہانکینِ انیس  
مجلسِ انیس بزمِ انیس انجمنِ انیس منبر کی جان طرزِ خطابت کا فنِ انیس  
عکس کی روشنی ہے وضاحت کا ذوق ہے  
جادو بیاں انیس دبستانِ شوق ہے

سید عاشور کاظمی: میرا انیس نے مرثیہ گوئی میں جو راہیں تراشی ہیں ان کے بعد  
آنے والے کم و بیش انھیں راہوں پر چل رہے ہیں، مگر اس حقیقت  
سے انکار ممکن نہیں کہ مرثیے کا قافلہ جہاں پہنچا ہے وہ میرا انیس کے  
صدقے میں پہنچا ہے۔ جدید مرثیے کے ساتھ چلنے والوں نے بھی میر  
انیس کی احسان فراموشی کبھی نہیں کی۔ میرا انیس کی عظمت نہ کبھی  
متنازعہ تھی نہ ہوگی۔

ڈاکٹر ہلال نقوی: انیس اس لئے بھی اردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار کہلائے  
کہ ان کے مرثیوں میں ادبیت اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ  
موجود ہے جس نے انسانی جذبات کو روشنی کی زبان دی۔ ان کی  
شاعرانہ عظمتوں کی وہ صفات جو انھیں تمام مرثیہ گو شعرا سے الگ  
کرواتی ہے ان کے متعدد دواویے ہیں لیکن دو دواویے اس ذیل میں  
بہت اہم ہیں ایک تو کردار و واقعات کے ذیل میں ان کی نفسیاتی پہنچ  
اور دوسرے ان کی زبان۔

فیض احمد فیض: قدیم شعرا میں ہمارا پسندیدہ شاعر کون ہے۔ ویسے اردو شاعری میں تو پہلا نام میری کا آتا ہے۔ میرے خیال میں غالب سے ذہنی لگاؤ کی بنا پر اس کا نام میر سے پہلے آتا ہے۔ جہاں تک زبان و اسلوب کا تعلق ہے اس میں میر کا جو طرز بیان ہے اس سے استفادہ نہ کرنا اپنے آپ کو محروم رکھنا ہے۔ جہاں تک الفاظ اور ترنم کا معاملہ ہے ہم میر انیس سے کسب فیض کرتے رہے اور جہاں تک آج کل کے ذہن و خیال کا تعلق ہے ہم سبھی اقبال سے متاثر ہیں۔  
(فیض، مطبوعہ انٹرویو)

ڈاکٹر صفدر حسین: انیس اس خانوادے کے ایک فرد تھے جس کی کم از کم چار پشتیں تو ضروری محافظت زبان میں گزری تھیں۔ انیس اپنے عہد میں اس تحریک کے سب سے بڑے محافظ اور پاسان تھے جس کی خصوصیات صحت، صفائی، پاکیزگی، گفتگو اور شیرینی تھیں۔ انیس کے کلام میں سلاست، شیرینی اور شکوہ کے استخراج سے رفعت بیان پیدا کی گئی ہے۔ یہاں ندرت تشبیہ و استعارات کا عمل بھی نمایاں ہے لیکن صنعتوں کا استعمال بھی بڑے حسین انداز سے ہوا ہے۔ ان کے کلام میں ایسے اشعار کی کوئی کمی نہیں جن میں حسن رعایت اپنے عروج پر ہے۔



اللہ ری خوشبو تن محبوب خدا کی  
پھولوں کی مہک آگئی کلیوں سے قبا کی  
(شاہکار انیس، ڈاکٹر صفدر حسین)

مولوی عبدالحق: انیس کی زبان سنگم ہے۔ چند زبانوں اور مختلف قسم کے الفاظ کا  
جو ہمارے شعرا کے یہاں کیا ہے۔ ہمارا ہر شاعر صرف ایک صنف  
پر عبور رکھتا ہے اور اسی کا وہ استاد یا شاعر کہلاتا ہے۔ اس کو مخصوص کسی  
ایک صنف سے متصف کیا جاتا ہے لیکن انیس کا کلام مجموعہ ہے زندگی  
اور شاعری کے مختلف پہلوؤں کا۔

(فرہنگ انیس۔ نائب حسین نقوی)

مولوی سید احمد صاحب فرہنگ آصفیہ: انیس محاورات کا بادشاہ تھا۔  
(فرہنگ آصفیہ۔ نائب حسین نقوی)

نائب حسین نقوی: میر انیس کا مطالعہ عوام اور خواص نے حتیٰ کہ مرثیے کے  
شائقین نے بھی اس گہری نظر سے نہیں کیا جو اس کا حق تھا۔ ایک طبقہ  
نے تو محض رونے رلانے کے پیش نظر پڑھا اور اس کے آگے کچھ  
سوچنے کی زحمت نہ کی لیکن میں عرض کروں کہ انیس کے یہاں  
روحانیت کا عنصر تقریباً آٹھواں حصہ رہ جاتا ہے۔ باقی تمام کلام

دوسرے اصناف و اقسام یا موضوعات و عنوانات سے ملو ہے۔ حمد، نعت، منقبت، مدح، قصیدہ، مثنوی، غزل اور اس کے ماوراءِ عمرانیات، جمالیات، سیاسیات، جنگ اور ان تمام موضوعات کے مختلف گوشے بھی ان کے پیش نظر رہے۔

**انتظار عارف:** حیرت ہوتی ہے کہ فی زمانہ انیس کو کیا مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں اور ایک زمانے تک وہ جس کے حقدار سمجھے جاتے رہے۔ ہمارے بچپن میں میر، غالب، انیس اور اقبال عظیم شعرا کی ذیل میں زیر بحث رہے۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز و عروج میں نظیر اکبر آبادی بھی اس فہرست میں شامل ہو گئے کہ ان کی جڑیں اپنی دھرتی اور اپنی عوام سے پیوست تھیں۔ پچھلے چند برسوں میں اہلیات میں کوئی بہت قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ برادر گرامی قدیر مسعود نے اپنے والد بزرگ استاد الاساتذہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کی روایت میں بلاشبہ جو گراں اضافے کیے اور مرحوم و مغفور سید جواد علی زیدی، شاربِ رد و لدی، پروفیسر گوپی چند نارنگ کے کچھ مضامین استثنائاً قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ اب تو رٹائی ادب کی تحریریں عزا خانوں کے مذہبی کتاب گھروں تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں اور بڑے شہروں میں مراٹھی کے مجموعہ بہت مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔

اودھ ٹرینش شری رام چندر جی کو مرکز و محور مان کر تو سوای تلسی

داس نے رام چرت مانس لکھی۔ اودھی زبان میں اور اودھ کی دھرتی پر۔ سو راماین میں پوری ہندوی ستیا سانس لیتی نظر آتی ہے۔ عظیم شاعر نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ انیس نے اسی اودھ میں رہتے ہوئے اسلام کے ایک جلیل القدر گمراہ کے فرد نبیؐ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ کے نواسے، علی اور فاطمہ کے بیٹے حسین اور باطل کے نمائندے یزید کے لشکر کے مقابل کربلا میں قیام کو موضوع شعر بنایا اور ایسی شاعری کی جس پر بجزے کا گمان ہوتا ہے۔ مرثیہ گو شعرا نے زبان کی تخلیقی ارتقا میں وہ کام کیے جو دوسرے شعرا انجام نہ دے سکے۔ انیس جس کے سب سے اہم نمائندہ تھے۔ اس کا اعتراف و احترام واجب آتا ہے۔

(انتباس از مکتوب الفقار عارف بنام تقی عابدی)

حمیدِ ربانی (1) اللہ ہی عطا کرتا ہے

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے  
 بندے کو بغیر جستجو دیتا ہے  
 انسان کو رزق، گل کو بو، سنگ کو لعل  
 جو کچھ دیتا ہے، جس کو، تو دیتا ہے

حمیدِ ربانی (2) اللہ رزاق ہے

سب سے اول ہے سب سے سابق ہے وہی  
 حمد و صفت و ثناء کے لائق ہے وہی  
 درویش نہ محروم، نہ منعم بے فیض  
 پشے کا بھی، عنقا کا بھی رازق ہے وہی

اللہ بخار ہے

3

حمیدِ رہائی

اپنوں کا گلہ نہ غیرِ ذالک کا ہے  
 کیوں سعی نہ کی قصورِ سالک کا ہے  
 تعزیر دے یا عفو کر اے ربِّ کریم  
 مخلوک پہ اختیارِ مالک کا ہے

معرفتِ الٰہی

4

حمیدِ رہائی

حیران ہے عقل و دل شیدا سب میں  
 دیکھو کہ ہے شان اس کی ہویدا سب میں  
 کیا قدرتِ معبود ہے اللہ اللہ  
 پنہاں سب میں ہے اور پیدا سب میں

خدا کی قدرت

5

حمید ربانی

نہ لعل میں ہے نہ گہر و سنگ میں تو  
 پر صاف چمکتا ہے ہر اک رنگ میں تو  
 باہر عالم سے ہے بزرگی تیری  
 کس طرح سمایا ہے دل تنگ میں تو

ذاتِ خداوندی کی عظمت سے بالا ہے

6

حمید ربانی

خلاقِ جہاں ہے رب اکبر تو ہے  
 شہار ہے، رزاق ہے، داور تو ہے  
 حیران ہوں کیا کروں صفت میں تیری  
 جو حمد و ثنا ہے اُس سے برتر تو ہے

۱

معرفتِ خدا

7

حمیدِ ربانی

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں  
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں  
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے  
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

معرفتِ خدا

8

حمیدِ ربانی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے  
نیل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے  
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا  
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

اللہ عفا رے

9

حمید رہائی

صالح بھی ترا ہے زشت بھی تیرا ہے  
 کعبہ بھی ترا کنشت بھی تیرا ہے  
 حاضر ہے گنہگار جدھر بھیج دے تو  
 دوزخ بھی ترا، بہشت بھی تیرا ہے

خلوقِ عبادت گزارِ خدا ہے

10

حمید رہائی

بلبل تری یاد میں فغاں کرتی ہے  
 شاخِ گل تر زمیں پہ سر دھرتی ہے  
 استادہ نہیں قیام میں سرو فقط  
 قمری بھی ترے عشق کا دم بھرتی ہے



حمیدِ رہائی (11) اللہ رگِ جان سے قریب ہے

پُتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو  
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو  
قربتِ رگِ جاں سے اور پھر اُس پہ یہ بُعد  
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

حمیدِ رہائی (12) معرفتِ الہی

سرگرم رہے نہ، سرد آہیں ہیں یہی  
سویا کیے، حسرت کی نگاہیں ہیں یہی  
ہر جسم میں ہیں جو تین سو ساٹھ رگیں  
گویا تری معرفت کی راہیں ہیں یہی

معرفت الہی

13

حمیدِ رہائی

مڑ کر کب تک ادھر ادھر دیکھوں میں  
حیراں ہے نظر کدھر کدھر دیکھوں میں  
دنیا ہو کہ عقبی ہو، فلک ہو کہ زمیں  
تو ہی تو ہے جدھر جدھر دیکھوں میں

صنائیِ خدا

14

حمیدِ رہائی

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے  
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے  
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ زخار  
ہر ایک نفس سے جزو مد پیدا ہے

معرفت الہی

15

حمید رہا

سایے سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں  
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانہ ہوں  
دیکھا نہیں جس کو، اس کا عاشق ہوں انیس  
جتا ہے جو بے شمع، وہ پروانہ ہوں

رحمت الہی

16

حمید رہا

کونین کی دولت ہے عنایت تیری  
ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری  
مستوجبِ دوزخ ہوں، اگر عدل کرے  
یا رب! اگر بخش دے تو رحمت تیری

رحمتِ الہی

17

حمیدِ ربّانی

فرقت تن و جاں میں بھی غضب ہوتی ہے  
 مومن پہ مگر رحمتِ رب ہوتی ہے  
 آگاہ گناہوں سے نہ ہو ایک کے، ایک  
 فرداً فرداً جیسی طلب ہوتی ہے

رحمتِ الہی

18

حمیدِ ربّانی

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری  
 افزودن ہے ترے غضب سے رحمت تیری  
 جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا  
 وہ رحم ترا ہے، یہ عدالت تیری

رحمتِ الہی

19

حمیدِ ربانی

دریا تری رحمت کا اگر سر کھینچے  
 جنت کبھی مجھ کو، کبھی کوڑ کھینچے  
 دھو ڈالیں لکھے کو کتابِ اعمال  
 گر تو قلمِ عفو خطا پر کھینچے

معرفتِ خدا

20

حمیدِ ربانی

شاید رونے پہ رحم آیا ہے تجھے  
 یہ بجز، یہ انکار بھایا ہے تجھے  
 جب تک 'میں' تھا تو بعد تھا برسوں کا  
 جب آپ کو کھو دیا تو پایا ہے تجھے

ٹٹا مکن نہیں

21

حمید رہائی

ہیں معترفِ عجزِ ٹٹا خواں تیرے  
افزوں ہیں مرے شکر سے احساں تیرے  
میں کرتا ہوں جرم، عفو کرتا ہے تو  
لائقِ مرے وہ ہے، یہ ہے شایاں تیرے

دولتِ حقیقی

22

حمید رہائی

دولت کی ہوس ہے نہ طمعِ مال کی ہے  
خواہشِ منصب کی ہے نہ اقبال کی ہے  
ہے ذاتِ تری جواد و غفار و عنی  
امیدِ تجھی سے ترے افضال کی ہے

دولتِ حقیقی

(23)

حمیدِ رہائی

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی  
عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی  
مال و زر و آبروے دین و ایمان  
کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی!

کرمِ الہی

(24)

حمیدِ رہائی

بندے کو خیال دم بدم تیرا ہے  
یہ جسم ترا ہے اور یہ دم تیرا ہے  
کرتا ہے جو مجھ سے زرد زو کو سرسبز  
اے ایہ کرم یہ سب کرم تیرا ہے

شکر الہی

(25)

محبیہ رہائی

قانع ہو جو کچھ ہمتِ مردانہ ہے  
 کیوں صحبتِ اہلِ زر کا پروانہ ہے  
 حقا کہ شمارِ نعمتِ حق کے لیے  
 جو دانہ ہے تسبیح کا اک دانہ ہے

عبادت

(26)

محبیہ رہائی

لائق تیرے کس نے کی عبادت تیری  
 مجرم پہ بھی ہر دم ہے عنایت تیری  
 دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی  
 عصیاں مرے افزوں ہیں کہ رحمت تیری



عبادت

(27)

حمیدِ رہائی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری  
 بذلِ کرم و عطا ہے عادت تیری  
 صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے  
 دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

رحمتِ الہی

(28)

حمیدِ رہائی

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارہ نہ کیا  
 پر تو نے دل آزرده ہمارا نہ کیا  
 ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر  
 لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

رحمتِ الہی

29

حمیدِ رہائی

کب شاہ و گدا سے راہ رکھتا ہوں میں  
 تیری ہی طرف نگاہ رکھتا ہوں یہ میں  
 بخشے مرے جرم تو نے اکھوں یا رب!  
 رحمت کو تری گواہ رکھتا ہوں میں

رحمتِ الہی

30

حمیدِ رہائی

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں  
 نہ مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں  
 جو مزرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو  
 ہاں اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

رحمت الہی

31

حمیدِ رہائی

اے خالق ذوالفضل و کرم رحمت کر  
 اے دافع ہر رنج و الم رحمت کر  
 سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری  
 اپنی تجھے رحمت کی قسم! رحمت کر

رتبہ آدم

32

حمیدِ رہائی

آدم کو عجب خدا نے رتبہ بخشا  
 ادنیٰ کے لیے مقامِ اعلیٰ بخشا  
 عقل و ہنر و تمیز و جان و ایماں  
 اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

گل بہل

33

صحبہ ربانی

لالے سے عیاں بہارِ سرجوشی ہے  
 زگس کو جو دیکھیے تو مدہوشی ہے  
 کیسی یہ گوگو ہے اے رب کلیم  
 بلبلِ نالاں ہے گل کو خاموشی ہے

محمد بے مثال ہیں

34

نعتیہ ربانی

ہے کون سی شادی جو ترے غم میں نہیں  
 ہاں دردِ محبت ہی مگر ہم میں نہیں  
 مجھ سے تیرے لیے ہزاروں بندے  
 تجھ سا میرے لیے دو عالم میں نہیں

سینہ محمدؐ

(35)

نعتیہ رہائی

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اُترا  
نہ شرع چڑھی کوئی، نہ پردا اُترا  
تھا کشتی احمدؑ سے علاقہ جس کو  
دریا سے سلامت وہی میڑا اُترا

معراج نبیؐ

(36)

نعتیہ رہائی

دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں  
کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں  
باریک ہے ذکرِ قربِ معراجِ رسولؐ  
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

نعتیہ رہائی (37) رسول کا سایہ نہ تھا

آدم کو یہ تحفہ، یہ ہدیہ نہ ملا  
ایسا تو کسی بشر کو پایہ نہ ملا  
اللہ ری لطافتِ تنِ پاکِ رسول  
ڈھونڈا کیا آفتاب، سایہ نہ ملا

نعتیہ رہائی (38) دیدارِ رسول اللہ کا دیدار ہے

یا ختمِ رُسل! مستِ مئے اُلفت ہیں  
قدموں کی قسم کہ عاشقِ صورت ہیں  
دیکھا جو حضور کو، خدا کو دیکھا  
اس وجہ سے ہم بھی قائلِ رویت ہیں

نتیجہ رہائی (39) دیدار رسول اللہ کا دیدار ہے

کھو دل کے مرض کو اے طبیبِ اُمت  
 سکھلا آدابِ اے ادیبِ اُمت  
 اللہ کے نور کو بعینہ دیکھیں  
 گر ہو ترا دیدار نصیبِ اُمت

نتیجہ رہائی (40) نئی اور نئی سے خدا ملتا ہے

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا  
 اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا  
 مطلوب ملا ابنِ ابی طالب سے  
 جب شاہِ عرب ملے تو رب کو پایا

میں شہر ہوں جی اُس کا دروازہ چیں

41

نعتیہ رباعی

کیا بھائیوں کے انس کا اندازہ ہے  
ہر وقت گلِ عشق تر و تازہ ہے  
یہ باب میں حیدر کے نبیؐ کہتے ہیں  
میں شہر ہوں بازو مرا دروازہ ہے

مناجات کے ساتھ حسنہ شاداب چیں

42

نعتیہ رباعی

احمدؑ کا برادرِ گرامی تو ہے  
یا شیرِ خدا خلق میں نامی تو ہے  
اے قائدِ خیر و پیشوائے امت  
کچھ غم نہیں گر جہاں میں حامی تو ہے



نعتیہ رہائی (43) معراجِ نبیؐ و ملاقاتِ علیؑ

اصحاب نے پوچھا جو نبیؐ کو دیکھا  
معراج میں حضرت نے کسی کو دیکھا  
کہنے لگے مسکرا کے، محبوبِ خدا  
واللہ جہاں دیکھا، علیؑ کو دیکھا

نعتیہ رہائی (44) شریکِ معراج

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا تاجِ نبیؐ  
اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبیؐ  
فرماتے ہیں، میں تن ہوں علیؑ سر ہے مرا  
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبیؐ

نعتیہ رہائی (45) ملاقاتِ معراج میں

جو مرتبہ احمدؑ کے وحی کا دیکھا  
ہم نے نہیں رتبہ یہ کسی کا دیکھا  
کہتے ہیں نبیؐ جب ہوئی معراج مجھے  
پہنچا جو وہاں، ہاتھ علیؑ کا دیکھا

نعتیہ رہائی (46) علی مہرِ نبوت کا گیند ہے

محبوبِ خدا کا جانشینِ حیدرؑ ہے  
قدیلِ سرِ عرشِ بریں حیدرؑ ہے  
رکھے کعبہ میں پاؤں سرِ دوشِ نبیؐ  
لو! مہرِ نبوت کا جگمگائیں حیدرؑ ہے

نعتیہ رہائی (47) نبیؐ اور علیؑ دلی ہیں

ہے شانِ علیؑ سے حق کی شوکت پیدا  
ہے اُن سے ہر اک نبیؐ کی خصلت پیدا  
آئینے میں جیسے مہر دکھلائی دے  
چہرے سے ہے یوں نورِ ولایت پیدا

نعتیہ رہائی (48) فضیلتِ محمدؐ دلی

ہے چادرِ نورِ حقِ ردائے حیدرؑ  
خورشید ہے نقشِ کفِ پائے حیدرؑ  
کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو ملک  
یہ جائے محمدؐ ہے وہ جائے حیدرؑ

لسان اللہ اور محمدؐ علیؑ ہیں

49

نعتیہ رباعی

مختارِ زمین و آسمان حیدرؑ ہے  
گویا کہ محمدؐ کی زباں حیدرؑ ہے  
جب نام لیا تقویتِ روح ہوئی  
بے جاں ہے مگر جانِ جہاں حیدرؑ ہے

حدیث: انا و علی من نور واحد

50

نعتیہ رباعی

افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک  
گر غور کرو تو موج و دریا ہے ایک  
ہاں نورِ محمدؐ و علیؑ ہے واحد  
ہیں اسم تو دو مگر مسمیٰ ہے ایک

عشقِ محمدؐ

(51)

نعتیہ رباعی

ہے کون و مکاں میں اختیارِ حیدرؐ  
گردوں ہے سُبکِ پیشِ وقارِ حیدرؐ  
اک جان ہے، اک دل ہے بضاعتِ اپنی  
احمدؐ کے وہ قرباں، یہ ثارِ حیدرؐ

معجزاتِ شق القمر و رجعتِ خورشید

(52)

نعتیہ رباعی

شایاں تھے انہیں کی شانِ برتر کے لیے  
اعجازِ یہ دو، دونوں برادر کے لیے  
شق القمر و رجعتِ خورشید بہین  
احمدؐ کے لیے وہ، اور یہ حیدرؐ کے لیے

منقہی رہائی (53) ولادت علی سے کعبہ شرف ہوا

حیدر سا امام، حق کی رحمت سے ملا  
کیا کیا نہ شرف ان کی اطاعت سے ملا  
عالم میں ہوا قبلہ اول بھی وہی  
کعبے کو شرف جس کی ولادت سے ملا

منقہی رہائی (54) علی کا مقام و مرتبہ

ہے روح امیں علی کے دربانوں میں  
خادم بھی ہے کتریں ثنا خوانوں میں  
خورشیدِ فلک فخر سے آ ملتا ہے  
دن کو ذروں میں شب کو پروانوں میں

ساقی نامہ

55

معتقی رہائی

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے  
 گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے  
 سرمست ہیں حبِ ساقی کوثر سے  
 آنکھیں شیشے ہیں، قلب پیانہ ہے

علی مشکل کشا ہیں

56

معتقی رہائی

احبابِ لحدِ تلک تو پہنچائیں گے  
 کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے  
 تنہائی میں جس وقت پڑے گی مشکل  
 تب عقدہ کشائی کو امام آئیں گے

علی مشکل کشا ہیں

(57)

مستحق رہائی

میزانِ کرم میں جرم ٹل جاتے ہیں  
فردوس میں مثل بوئے گل جاتے ہیں  
انگشتِ علی سے بابِ خیبر کی طرح  
عقدے جو ہزاروں ہوں تو کھل جاتے ہیں

مزارِ حیدر

(58)

مستحق رہائی

سرمہ ہے غبارِ رہگزارِ حیدر  
مردم نہ ہوں کس طرح غبارِ حیدر  
ہو جائیں کور کی بھی آنکھیں روشن  
آئینہ نور ہے مزارِ حیدر



علی کا گھر

(59)

معتقی رہا ہی

برتر ہے ملائک کا بشر سے پایا  
 پر سب نے شرف علی کے گھر سے پایا  
 سدرے سے پکارتے ہیں جبریل امیں  
 میں نے بھی جو پایا، اسی در سے پایا

درج بارہ امام

(60)

معتقی رہا ہی

روشن شمعیں تجلی طور کی ہیں  
 خال اُن کے رُخوں کے، پتلیاں حور کی ہیں  
 قربان دروازہ امام برحق  
 بارہ سطریں یہ سورۃ ”نور“ کی ہیں

منقح ربائی (61) غلق عقدہ کشا ہیں

اک آن نہیں حق سے جدا حیدر ہے  
حق کا کرم و لطف و عطا حیدر ہے  
حور و غلاماں ملائک و جن و بشر  
سب جانتے ہیں عقدہ کشا حیدر ہے

منقح ربائی (62) ذوالفقار

جو صف تہ تیغ شاہ آجاتی تھی  
اڑ جاتے تھے سر، شکست پا جاتی تھی  
مشہور ہے تلوار کو کھا جاتا ہے زنگ  
وہ تیغ جو مورچے کو کھا جاتی تھی

غلامِ حیدر

63

مضقی رباعی

دنیا سے اٹھالے کے میں نامِ حیدر  
جنت کو چلا بہرِ سلامِ حیدر  
عصیاں ہوئے سدرہ تو رضواں نے کہا  
آنے دو، اسے ہے یہ غلامِ حیدر

علی کی بخشش

64

مضقی رباعی

بے دینوں کو مرتضیٰ نے ایماں بخشا  
دینداروں کو جنت کا گلستاں بخشا  
بخشش کا ہے خاتمہ کہ خاتم دے کر  
درویش کو رتبہ سلیمان بخشا

متعلق رہائی (65) نبی کو پہلی کی مدح عبادت الہی ہے

سرگرم ہوں میں نبیؐ کی مذاہجی میں  
کام آئے زباں وحی کی مذاہجی میں  
یا رب یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم  
سجدوں میں ترے، علیؑ کی مذاہجی میں

متعلق رہائی (66) علیؑ کی معراج

افضل نہ کسی کو مرتضیٰؑ سے پایا  
برتر دنیا کے انبیاءؑ سے پایا  
معراج میں مصطفیٰؐ کے ہمراہ رہے  
یہ آج عنایتِ خدا سے پایا

معتقی ربانی (67) زندگی علی کی ضمانت ہے

گر شیر خدا زیت کا بانی ہو جائے  
اعجاز مسحا کا، کہانی ہو جائے  
چاہیں جو علیؑ فنا سے تبدیل بقا  
مرگِ مہرم بھی زندگانی ہو جائے

معتقی ربانی (68) علی پر خالق کو بھی فخر ہے

کیا اس کی صفت میں پھر کوئی بات کرنے  
خود جس کی ثنا رسولؐ دن رات کرے  
پیدا کیا مرضی علیؑ سا بندہ  
کیوں کر یہ قدرت نہ مہابات کرے

معنی رہائی (69) علی کا سہیلی کی ضمانت ہیں

نا کام بھی کامیاب ہو جاتا ہے  
بے قدر، فلک جناب ہو جاتا ہے  
گر اک نظرِ مہر سے دیکھیں حیدر  
وزہ بھی آفتاب ہو جاتا ہے

معنی رہائی (70) علی حاضر اور غائب ہیں

لاریب کہ مظہر العجائب ہے علی  
ہقا کہ رسولِ حق کا نائب ہے علی  
اللہ اللہ صورتِ ذاتِ خدا  
ہر جا حاضر ہے اور غائب ہے علی

منقہی رہائی (71) علی کی مدح ممکن نہیں

دَمِ اُلفتِ حیدر کا جو بھرتا ہوں میں  
 حال آتا ہے دل کو، وجد کرتا ہوں میں  
 ممکن ہیں کہاں صفاتِ ہمنامِ خدا  
 کیا آگے کہوں، خدا سے ڈرتا ہوں میں

منقہی رہائی (72) عیدِ غدیر

اب وقتِ سرور و فرحتِ اندوزی ہے  
 ہر دل مصروفِ جشنِ نوروزی ہے  
 ہے آج سے دور شاہی شاہِ نجف  
 یہ رنگِ بہارِ فتح و فیروزِی ہے

عیدِ غدیر

(73)

مہلقی رباعی

ہر غنچے سے شاخِ گل ہے کیوں نذرِ بکف  
ہے روزِ خلافت شہنشاہِ نجف  
حیدر ہوئے جانشینِ خاصِ نبویؐ  
ہے آج طلوعِ خیرِ برجِ شرف

علق کی خوراک

(74)

مہلقی رباعی

موجود تھیں نعمتیں برائے حیدرؑ  
دنیا کو نہ کچھ دھیان میں لائے حیدرؑ  
خود قاسمِ روزیِ دو عالم تھے، مگر  
تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدرؑ



محقق رہا (75) آسمانی کتب مدح سرائے علی ہیں

افزوں ہیں بیاں سے معجزاتِ حیدر  
 حلالِ مہمتا ہے ذاتِ حیدر  
 توریت، انجیل اور زیور و قرآن  
 ہیں ایک رباعی صفاتِ حیدر

محقق رہا (76) علی پر نصیریوں کو خدا کا دھوکا

مولّا کوئی، کوئی مقتدا کہتا ہے  
 کوئی عالم کا رہنما کہتا ہے  
 اللہ رے مراتبِ علی اعلیٰ  
 بندہ کوئی، کوئی خدا کہتا ہے

معنی رہائی (77) علی پر نصیریوں کو خدا کا دھوکا

یہ جو د و سخا حاتمِ طائی میں نہیں  
 مثل ان کے کوئی عقدہ کشائی میں نہیں  
 معبود کے عہد ہیں، نصیری کے خدا  
 بندہ کوئی حیدر سا خدائی میں نہیں

معنی رہائی (78) علی کے گھر کا فیض و کرم

اعلیٰ رتبے میں ہر بشر سے پایا  
 افضل انہیں خضرِ راہبر سے پایا  
 یہ درجہ نہ ملتا، تو بھٹکتے پھرتے  
 جنت کا پتا علی کے گھر سے پایا

مشتعل رہا علی (79) علی پر نصیر یوں کو خدا کا دھوکا

قطرے ہیں یہ سب جس کے، وہ دریا ہے علی  
 پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علی  
 ہوتا ہے گماں خدا کا جس پر ہر بار  
 اللہ اللہ ایسا بنا ہے علی

مشتعل رہا علی (80) علی کے گھر کا فیض و کرم

فیاض علی کو ہر بشر سے پایا  
 ہاتھوں کو کشادہ بحر و بر سے پایا  
 واں رہتا ہے بابِ خیر و آٹھ چہر  
 حق سے مانگا، علی کے گھر سے پایا

معقنی رہا ہی (81) علی کے گمراہ فیض و کرم

کیا خر نے شرف علی کے گھر سے پایا  
کیا مرتبہ شامہ بحر و بر سے پایا  
تھی آرزوئے بہشت و آب کوثر  
وہ باپ سے پایا، یہ پسر سے پایا

معقنی رہا ہی (82) علی مقدمہ کشا ہیں

مطلب بھی علی ہے، مدعا بھی ہے علی  
ہادی بھی علی ہے، رہنما بھی ہے علی  
شیعوں کو ہو کیا باوجود مخالف کا خطر  
کشتی بھی علی ہے، ناخدا بھی ہے علی

محقق رہی (83) علی کے گھر کا فیض و کرم

ایماں پایا، علی کے در سے پایا  
 رتبہ پایا تو اس بشر سے پایا  
 طوبی، کوثر، بہشت، آرام لحد  
 جو کچھ پایا، علی کے گھر سے پایا

محقق رہی (84) علی مشکل کشا ہیں

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدر  
 ہے ابر کرم، دستِ سخائے حیدر  
 یعقوب، و خلیل و یوسف و آدم و نوح  
 سب کی مشکل میں کام آئے حیدر

محقق رہائی (85) علی مشکل کشا ہیں

دیدار دمِ نزع دکھاتے ہیں علی  
ایذا سے محبوں کو بچاتے ہیں علی  
منظور ہے شیعوں پہ نہ ہو سختی مرگ  
پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علی

محقق رہائی (86) علی مشکل کشا ہیں

امداد کو شیرِ حق لحد میں پہنچے  
کچھ غم نہیں اب کہ اپنی حد میں پہنچے  
تربت جو ہوئی بند، کھلا خلد کا در  
خنداں خنداں جوارِ جد میں پہنچے

معقنی رباعی (87) علی مشکل کشا ہیں

گر دوستی علیٰ میں مر جائیں گے  
 بگڑے ہوئے سب کام سنور جائیں گے  
 جس وقت کہیں گے منہ سے یا شیرِ خدا  
 جوں برق، صراط سے گزر جائیں گے

معقنی رباعی (88) الفتِ حیدر

افضل کوئی مرتضیٰ سے ہمت میں نہیں  
 اس طرح کا بندہ تو حقیقت میں نہیں  
 طوبیٰ، تسنیم و خلد و سیب و رمان  
 وہ کیا ہے جو حیدر کی ولایت میں نہیں

محقق رہا ہے (89) ... نبی علیؑ معرفتِ خدا ہے

خلاقِ انامِ کبریا کو جانا  
عالم کا رسولِ مصطفیٰ کو جانا  
ایمان کا ہمارے اس پہ ہے دار و مدار  
جانا جو علیؑ کو، تو خدا کو جانا

محقق رہا ہے (90) علیؑ کا سراپا

آہوئے حرم ہے چشمِ مستِ حیدر  
کعبہ ہے دلِ خدا پرستِ حیدر  
بینہ تو ہے مخزنِ علومِ نبویؐ  
ابوِ کرمِ خدا ہے دستِ حیدر



علی کا سراپا

91

محقق رہائی

جامِ عرفاں ہے چشمِ مستِ حیدر  
حق ہیں ہے نگاہِ حق پرستِ حیدر  
چہرہ ہے بہارِ بوستانِ فردوس  
گلدستہٴ باغِ دیں ہے دستِ حیدر

علی کی عظمت و فضیلت

92

محقق رہائی

عالم یہ کتاب و علم و حکمت کے ہیں  
ہر فصل میں ذکرِ ان کی کرامت کے ہیں  
کہتے ہیں دو عالم جسے اہلِ عالم  
دو باب یہ حیدر کی فضیلت کے ہیں

متعلق رہائی (93) علی کی عظمت و فضیلت

بہزار علی کو مال و زر سے پایا  
طاعت ہی میں شام تک سحر سے پایا  
اللہ نے دی تیغ، نبیؐ نے دختر  
رتبہ یہ ادھر سے وہ ادھر سے پایا

متعلق رہائی (94) علی صاحب اختیار ہیں

کجکول کو تاج خسروانی کر دیں  
درویش کو اسکندرِ ثانی کر دیں  
مختار ہیں سرد و گرم عالم کے علی  
چاہیں تو ابھی آگ کو پانی کر دیں

مقلقی رہا می (95) علی صاحب اختیار ہیں

چاہیں جو علی قطرے کو دریا کر دیں  
 ادنیٰ پہ کریں مہر تو اعلیٰ کر دیں  
 نسخہ کیسا، علاج کہتے ہیں کے  
 بیمار کو چاہیں تو مسیحا کر دیں

مقلقی رہا می (96) علی کی بلندی و عظمت

کعبے میں ہوا جو بندوبست حیدر  
 شاداں تھے دلِ خدا پرست حیدر  
 تھے صاحبِ معراج کے کاندھے پہ قدم  
 عرشِ اعلیٰ تھا زیرِ دست حیدر

مٹھتی رہائی (97) علق کی بلندی و عظمت

رُتے میں علق کے عرش بھی پست ملا  
سب ان کو خدا کا گھر در و بست ملا  
کعبے میں نبیؐ کے دوش، اور ان کے قدم  
یہ اُوج کسی کو کب سر دست ملا

مٹھتی رہائی (98) علق مولود کعبہ ہیں

دینداروں نے امن، کفر و شر سے پایا  
کعبے نے شرف، ایسے گھر سے پایا  
ہاتھوں پہ علق کو لے کے احمدؑ نے کہا  
یہ دُرّ نجف خدا کے گھر سے پایا

مصطفیٰ ربانی (99) علی بت ممکن ہیں

کعبے کو ید اللہ نے آباد کیا  
بت توڑ کے مصطفیٰ کا دل شاد کیا  
اللہ رے جلال اسم اعلاے علی  
أصنام کو اس نام نے برباد کیا

مصطفیٰ ربانی (100) الف حیدر

قرآن میں ہے جا بجا ثنائے حیدر  
ہے واردِ ہل اتی عطائے حیدر  
دو چیزیں ہیں عقبیٰ کے لیے دنیا میں  
اک یادِ خدا ایک ولائے حیدر

الفت حیدر

(101)

مطلق ربانی

عرفاں تصدیقِ حجتِ حیدر ہے  
ایماں نورِ محبتِ حیدر ہے  
دوزخ ہے عداوتِ علی کا بدلہ  
فردوس بہائے اُفتِ حیدر ہے

علی پانیِ صحت ہیں

(102)

مطلق ربانی

گر خیرِ دیں کی مہربانی ہو جائے  
ذرہ ابھی خورشید کا ٹپنی ہو جائے  
لعلِ لبِ حیدر سے جو ہو حکمِ شفا  
پتھر ہو اگر مرض تو پانی ہو جائے

تبر

(103)

اخلاقی رہائی

بستی کو اُجاڑ کر بسایا ہے اسے  
 گھر اپنا بگاڑ کر بنایا ہے اسے  
 سونے لگے لحد میں پاؤں پھیلا کے انیس  
 کھویا ہے جو نقد جاں تو پایا ہے اسے

پردہ باری اور فروتنی

(104)

اخلاقی رہائی

رُتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے  
 وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے  
 کرتے ہیں تہی مغز شا آپ اپنی  
 جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

خاکساری

(105)

اخلاقی رہائی

انجام پہ اپنے آہ و زاری کر تو  
 سختی بھی جو ہو تو بُردباری کر تو  
 پیدا کیا خاک سے خدا نے تجھ کو  
 بہتر ہے یہی کہ خاکساری کر تو

برودباری معرفت کا راستہ ہے

(106)

اخلاقی رہائی

ہو خاک دلا اُمید آزادی میں  
 حاصل ہو بلندی تجھے بربادی میں  
 آساں نہیں کچھ طریقِ عشقِ معبود  
 موتی بھی تو ایمن تھے نہ اس وادی میں



اخلاقی رہائی (107) غصہ ناکامی کا راستہ ہے

ہموار ہے گر تو کچھ تجھے باک نہیں  
سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں  
پاتا نہیں شہد خو کدورت کے سوا  
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

اخلاقی رہائی (108) گوشہ عافیت

دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا  
برسوں نہ کبھی روزِ فراغت دیکھا  
راحت کا مکاں، امن کا گھر، خانہ عیش  
دیکھا تو جہاں میں گنجِ عزت دیکھا

دنیا کی بد نظمی

(109)

اخلاقی رہائی

شکلِ چمنِ صدق و صفا بگڑی ہے  
 ہے رنگِ نیا بوے وفا بگڑی ہے  
 پھولوں سے ہے پھولوں کو دعا کا کھٹکا  
 کیا گلشنِ عالم کی ہوا بگڑی ہے

طبعِ دولت

(110)

اخلاقی رہائی

کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے  
 جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے  
 اللہ رے پیری میں ہوس دنیا کی  
 تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

اخلاقی رہائی (111) نرمی اور انعام ساری بڑی قوت ہے

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے  
 جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے  
 نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں  
 دندان صف بستہ ہیں زباں کے آگے

اخلاقی رہائی (112) جاہل کبھی بدلتا نہیں

جو صاحبِ فہم ہے وہی انسان ہے  
 داناں کے لیے فروتنی شایاں ہے  
 جاہل کبھی جہل سے نہیں پھرنے کا  
 نادان کو اگر قلب کرو نادان ہے

کثرتِ گناہ

(113)

اخلاقی رہائی

جینے سے طبیعت اب ہٹی جاتی ہے  
 غفلت ہی میں اوقات کٹی جاتی ہے  
 یہ بے خبری، ہزار افسوس، انیس  
 بڑھتے ہیں گنہ، عمر گھٹی جاتی ہے

غروہر خاکساری

(114)

اخلاقی رہائی

دل کو مرے شغلِ نمکساری کا ہے  
 غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے  
 گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرہ  
 ہم کو بھی غرورِ خاکساری کا ہے

اخلاقی رہائی (115) نفسِ امارہ بڑا شیطان ہے

برباد کیا ہے طبعِ آوارہ نے  
 تڑپا رکھا ہے قلبِ صد پارہ نے  
 شیطان کی نہ کچھ خطا، نہ قسمت کا قصور  
 مارا مجھے آہِ نفسِ امارہ نے

اخلاقی رہائی (116) ناپلوں کے دل بند ہیں

رہتے ہیں سدا ہوش بجا بینا کے  
 روشن ہوں نہ کیوں قلبِ سوا بینا کے  
 نااہل کے سامنے ہے یوں نیکی و پند  
 جس طرح چراغِ آگے ناہینا کے

فقیری

(117)

اخلاقی رہائی

وہ صبرِ مراد وہ بردباری تیری  
 بھولے گی نہ مجھ کو مر کے یاری تیری  
 اللہ یوں ہی سب کی غیب ہے اے فقر  
 جس طرح کہ نہ گئی ہماری شیری

حرمِ رزق

(118)

اخلاقی رہائی

ہر صبح یہ دوڑ کر کدھر جاتا ہے  
 کچھ گوہرِ عزت کا بھی دھیان آتا ہے  
 جب ضامنِ روزی ہے خداوندِ کریم  
 پھر کس لیے تو رزق کا غم کھاتا ہے

اخلاقی رہائی (119) قلندری سکندری ہے

ہاں دولت فقر مصطفیٰ دیویں گے  
توقیر و شرف شیر خدا دیویں گے  
ہوگا جو گوشہ گیر مثل ابرو  
مردم آنکھوں میں تجھ کو جا دیویں گے

اخلاقی رہائی (120) کمر فیدہ (صنعت حسنِ ثقیل)

خود ڈھونڈ کے پیشِ اہل دل جاتا ہوں  
غنیچے کی طرح ہوا سے کھل جاتا ہوں  
پیری نے نہال بارور مجھ کو کیا  
ہراک سے میں آپ جھک کے مل جاتا ہوں

فقر کا نشہ

(121)

اخلاقی رہائی

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں  
وہ نشہ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں  
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے  
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

خاموشی ہزارفت ہے

(122)

اخلاقی رہائی

ہے تیزی عقل و ہوش بیہوشی میں  
باتوں میں یہ لطف ہے، نہ سرگوشی میں  
سمجھے جو زبان بے زبانی تو کہوں  
جو مجھ کو مزا ملا ہے خاموشی میں



دنیا میں اتحاد نہیں

123

اخلاقی رہائی

ان آنکھوں سے خوفِ لطفِ عالم دیکھا  
مردم میں نہ اتفاقِ باہم دیکھا  
سمجھے کہ خلافِ رسمِ عالم ہے، انیس  
جس دم کسی بادام کو تو اُم دیکھا

دوست کی عظمت

124

اخلاقی رہائی

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے  
ممکن ہے نگیں، طبل، علم ملتا ہے  
عنقا گوگرد، سرخ، پارس، اکسیر  
یہ سب ملتے ہیں، دوستِ کم ملتا ہے

اخلاقی رہائی (125) دنیاوی مقام و منزلت

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو  
مغرور نہ ہو جو اہلِ ادراک ہے تو  
بالفرض گر آسماں پہ ہے تیرا مقام  
انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

اخلاقی رہائی (126) جبری اور ریاکاری

ہر دم ہے خیالِ عذر خواہی دل میں  
مطلق نہیں کچھ خوفِ الہی دل میں  
نافی کی طرح خطا میں گزری سب عمر  
بالوں پہ پسیدی ہے، سیاہی دل میں

اخلاقی رباعی (127) غلامِ صفت عقدہ کشا نہیں ہوتے

کب عنچے کی گلکھڑی صبا نے کھولی  
مشکل جو پڑی عقدہ کشا نے کھولی  
اُمیدِ کشودِ کارِ اسفل سے نہ رکھ  
کس روز گرہِ ناخنِ پا نے کھولی

اخلاقی رباعی (128) فخر و مہابت

نخوت یہ عبث دولتِ ناپاک پہ ہے  
ہے خاک تری اصل، قضا تا کہ پہ ہے  
لے دیکھ حقیقت تری دکھلانے کو  
تو تخت پہ ہے سایہ ترا خاک پہ ہے

در پردہ

129

اخلاقی رہائی

ہنکے پہ نہ سر ہے نہ بدن بستر پر  
اس در پہ کبھی ہوں تو کبھی اُس در پر  
ہر وقت ہے فکرِ نان و اندوہ لباس  
کیا زیست نے ڈالی ہیں بلائیں سر پر

ہوں کو بھائی نہیں

130

اخلاقی رہائی

اے آہ! ترا اثر نہ دیکھا ہم نے  
حسرت سے کدھر، کدھر نہ دیکھا ہم نے  
کیا کیا غفلت ہوئی کی شائیں نکلیں  
لیکن کوئی ثمر نہ دیکھا ہم نے

عجز و عیب پوشی

(131)

اخلاقی رہائی

خلق و تعظیم دولتِ دینی ہے  
 ہر عیب کا عیب، عیب خود بینی ہے  
 ہوتی ہے گنہ گار کی توبہ بھی قبول  
 خالق کو پسند عجز و مسکینی ہے

اصل درد مخلوق کا درد ہے

(132)

اخلاقی رہائی

روتے ہیں لہو ہر ایک ہمد کے لیے  
 ہم خلق ہوئے ہیں غمِ عالم کے لیے  
 نازاں نہ ہو دل سوزی ظاہر پہ انیس  
 جلتی نہیں شمع اہلِ ماتم کے لیے

نیک نفسی

(133)

اخلاقی رہائی

عاجز نہ کسی بشر کو اصلاً سمجھے  
نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے  
ہے اوج کمال د نیک نفسی کی دلیل  
ادنیٰ بھی ہو گر تو اس کو اعلاً سمجھے

حرمِ ثروت

(134)

اخلاقی رہائی

اندیشے میں دن تمام ہو جاتا ہے  
زنداں گھر، وقتِ شام ہو جاتا ہے  
زرداروں سے پوچھ حفظِ زر کی تکلیف  
شب کا سونا حرام ہو جاتا ہے

زاوسفر ساتھ نہیں

135

اخلاقی رہائی

اندیشہِ باطل سحر و شام کیا  
عقبیٰ کا نہ ہائے، کچھ سر انجام کیا  
ناکام چلے جہاں سے افسوس، انیس!  
کس کام کو یاں آئے تھے، کیا کام کیا!

سچ کا رواج نہیں

136

اخلاقی رہائی

کس بات میں کید کس میں تزویر نہیں  
جز حرفِ غلط زباں پہ تقریر نہیں  
اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج  
مسٹر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

اخلاقی رہائی (137) دنیا غم لائے مصیبت کی جگہ ہے

اندوہ و الم سے کب یہ جاں بچتی ہے  
 نہ قلب نہ روح ناتواں بچتی ہے  
 یوں سنگ دلوں میں رہ کے جان اپنی بچا  
 جس طرح کہ دانتوں سے زباں بچتی ہے

اخلاقی رہائی (138) انکساری و بجز

ٹھوکر بھی نہ ماریں گے اگر خود سر ہے  
 زردار کو بھی فروتنی بہتر ہے  
 ہے میوہ نخل قد انسان تسلیم  
 جھکتی ہے وہی شاخ جو بار آور ہے



قناعت

139

اخلاقی رہائی

کس زیت پہ میل مال و اسباب کریں  
 کیوں زر کی ہوس میں دل کو بے تاب کریں  
 اک پارہٴ ناں کے لیے لاجول و لا  
 اس کو ہر آبرو کو بے آب کریں

آہی بھلی کے دو پاٹ کدو میان ہے

140

اخلاقی رہائی

دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے  
 پامال ہے جو عاقل و فرزاندہ ہے  
 مابین زمین و آسمان یوں ہم ہیں  
 جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے

اخلاقی رہائی (141) بخیل دنیا آخرت میں بھی بدبخت ہے

دولت سے نہ کچھ لطف و مزہ پاتے ہیں  
کھانے میں فقط چرخ کا غم کھاتے ہیں  
دنیا میں بخیلوں کا ہے یہ حال انیس  
مہمان اجل آئے تو مر جاتے ہیں

اخلاقی رہائی (142) دولت خن

انساں ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے  
اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے  
گر جان نہیں خن، تو بتلائے پھر  
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

دولت تصوف

(143)

اخلاقی رہائی

دولت نہ عطا کر نہ جہاں میں زر دے  
جو باعثِ آبرو ہے وہ گوہر دے  
شاہوں کو نصیب بحر و بر کی تحصیل  
یا رب! مجھے نانِ خشک و چشم تر دے

محنت سرخ روئی کا راز ہے

(144)

اخلاقی رہائی

جو سو خرمن سے خوشہ چیں ہوتا ہے  
وانائے جہاں وہ نکلتے ہیں ہوتا ہے  
مات نہیں نام نیک، بے کاہش جاں  
کتنا ہے عقیق تب نکلیں ہوتا ہے

اخلاقی رہائی (145) مسلمان کی خدمتِ خدا کی خدمت ہے

مہمان کی عزت میں بڑی عزت ہے  
ہر اک دانے میں خلد کی نعمت ہے  
ہے پیشِ خدا جلیل وہ مثلِ خلیل  
کیا عزت و توقیر ہے کیا عظمت ہے

اخلاقی رہائی (146) کم غش عیب پوشی کی ضمانت ہے

کہہ دے کوئی عیب جو، سے سرگوشی میں  
ڈھنپ جاتے ہیں سب عیب خطا پوشی میں  
دامن ہے چراغِ فکر کو جنبش لب  
یہ شمع ضیا دیتی ہے خاموشی میں

دولت فقیر

(147)

اخلاقی رہائی

گر ہاتھ میں زر نہیں، تو کچھ باک نہیں  
 موجود کفن تو ہے جو پوشاک نہیں  
 کہنے کو ہے خاک و آتش و آب و ہوا  
 یاں گردِ کدورت کے سوا خاک نہیں

دل کی سیاہی تمام عمر ہی

(148)

اخلاقی رہائی

تا چرخِ فغان صبحِ گاہی نہ گئی  
 چہرے سے کبھی گردِ تباہی نہ گئی  
 سب ریش سفید ہو گئی آہِ انیس  
 پر اک سرِ سو دل کی سیاہی نہ گئی

اخلاقی رہائی (149) غمخیز دلی دشمن کو دوست کر دیتی ہے

برعکس ہے گر خاک میں مل مل جائے  
اس طرح ملے بشر کہ دل مل جائے  
اُلفت کو بھی کیا خدا نے بخشا ہے  
جنگل کا جو وحشی ہو، تو ہل مل جائے

اخلاقی رہائی (150) سیاہ قلبی دل کی جاہی ہے

ہے مملکت جسم میں شاہی دل کی  
کچھ تو نے نہ دوستی نہا ہی دل کی  
بعد اس کے دعائے موسپیدی کرنا  
پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی

اخلاقی رہائی (151) خود ستائی ترقی روکتی ہے

تعریف پر اپنی کیوں تجھے غرہ ہے  
خورشید نہ بن خاک کا تو ذرہ ہے  
کچھ پھل نہ ملے گا سینِ تحسین سے انیس  
یہ نخل ترقی کے لیے اڑہ ہے

اخلاقی رہائی (152) دولت فقر

یہ ادج یہ مرتبہ ہما کو نہ ملے  
یہ دلقِ سمیرقع امرا کو نہ ملے  
بخشی ہے خدا نے ہم کو وہ دولت فقر  
برسوں ڈھونڈے تو بادشا کو نہ ملے

انسانیت کو سنی کا مخالف نہیں ہے

(153)

اخلاقی رہائی

یہ حرص جو لے کے جا بجا پھرتی ہے  
 پھرتے ہیں جدھر، ساتھ قضا پھرتی ہے  
 فریاد کناں برائے ہر دانہ رزق  
 یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

گناہوں سے توبہ

(154)

اخلاقی رہائی

جب دیکھیں گی احوال قیامت آنکھیں  
 کھینچیں گی بڑی بڑی ندامت آنکھیں  
 کہتی ہے زبان دہن میں کچھ عذر تو کر  
 رو لے کہ ابھی تک ہیں سلامت آنکھیں



دولت فقر

(155)

اخلاقی رہائی

حاصل ہو جو دولت تو تو انگر ہو جائیں  
 گر زر کی ہوس نہ ہو، ابوذر ہو جائیں  
 تو ابی و شاہی نہیں درکار انیس  
 گر سید رمق ملے سکندر ہو جائیں

عدل و انصاف کا قضا

(156)

اخلاقی رہائی

کچھ فرق کلام کہنے و نثر میں نہیں  
 منصف ڈھونڈوں تو ایک بھی سو میں نہیں  
 تھائیوں نہ کبھی گوہر مضمون بے قدر  
 انصاف، فلک! تیری قلم رو میں نہیں

اخلاقی رہائی (157) دنیا بیکار گاہ ہے

انساں ہی کچھ اس دَور میں پامال نہیں  
سچ ہے کوئی آسودہ و خوش حال نہیں  
اندیشہٴ آشیاں و خوفِ صیاد  
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

اخلاقی رہائی (158) پاکیزگی قلب مشکل کام ہے

اُلفت ہے نہ پاس ربطِ دیرینہ ہے  
منہ پر تو ہیں صاف قلب میں کینہ ہے  
گر کیجیے امتحاں تو قلعی کھل جائے  
یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے

اخلاقی رہائی (159) اچھے لوگوں کی پہچان

ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں  
 حاسد جو بُرا کہے تو چپ رہتے ہیں  
 اچھے تو بُروں کو بھی کہتے ہیں نیک  
 جو بد ہیں وہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

اخلاقی رہائی (160) خروشِ دلی خاکساری ہے

مٹی سے بنا ہے، دل کو تو سنگ نہ کر  
 ہر بات پہ معترض نہ ہو، جنگ نہ کر  
 منظور اگر ہے جاؤ لوں میں اے دوست!  
 بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر

اخلاقی رہائی (161) توبہ بخشش کی کلید ہے

عصیاں سے ہوں شرمسار، توبہ یارب!  
 کرتا ہوں میں بار بار توبہ، یارب!  
 نہ جرم کا پایاں، نہ گناہوں کا شمار  
 اک توبہ تو کیا، ہزار توبہ یارب!

اخلاقی رہائی (162) قبر میں صرف اعمال جاتے ہیں

احباب سے اُمید ہے بجا مجھ کو  
 اُمید عطاءئے حق ہے زیبا مجھ کو  
 کیا ان سے توقع کہ میانِ مرقد  
 چھوڑ آئیں گے اک روز یہ تنہا مجھ کو

اخلاقی رہائی (163) ایمان یقین کی منزل ہے

کس منہ سے کہوں میں کہ خوش انجام ہے تو  
کامل ہیں کامیاب، ناکام ہے تو  
پختہ دانہ زمیں سے اُگتا ہے انیس  
سربر ہو کیونکر کہ ابھی خام ہے تو

اخلاقی رہائی (164) آلودگی دنیا

افسوس یہاں سے نہ سبک بار چلے  
ایذا و مصیبت میں گرفتار چلے  
دنیا میں تو بے گناہ آئے، واں سے  
یہ کیا ہے کہ عقبی میں گنہ گار چلے

گوشہ نشین

165

اخلاقی رہائی

سر کھینچ نہ شمشیر کشیدہ کی طرح  
ہر ایک سے جھک توں خمیدہ کی طرح  
منظورِ نظر ہے جو حفاظت اپنی  
ہو گوشہ نشین مردمِ دیدہ کی طرح

تاعت

166

اخلاقی رہائی

برباد گراں جنس کو بے قول نہ کر  
تیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر  
اک ناں ہے انیس دست دو نانِ سوال  
خالی ہاتھوں کو اپنے کشتول نہ کر

کدورت قلب

(167)

اخلاقی رباعی

افسوس یہ عصیاں، یہ تباہی دل کی  
 کی خوب انیس خیر خواہی دل کی  
 نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید  
 بڑھتی گئی ان رات سیاہی دل کی

بے ثباتی دنیا

(168)

اخلاقی رباعی

دنیا میں کسی کا نہ سہارا دیکھا  
 بچنے کا نہ غم سے کوئی چارا دیکھا  
 کچھ بخت ہمارے ہی نہیں سرگشتہ  
 گردش میں فلک کا بھی ستارا دیکھا

بے ثباتی دنیا

(169)

اخلاقی رہائی

پُرساں کوئی کب جو پر ذاتی کا ہے  
 ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے  
 شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا  
 رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

بے ثباتی دنیا

(170)

اخلاقی رہائی

چل جلد اگر قصدِ سفر رکھتا ہے  
 تو کچھ بھی مال کی خبر رکھتا ہے  
 راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیس  
 جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے



اخلاقی رباعی (171) بے ثباتی دنیا

کیا سوچ کے اس دارِ فنا میں آئے  
آفت میں پھنسنے، دامِ بلا میں آئے  
اس طرح عدم سے آئے دنیا میں انہیں  
جیسے کوئی کارواں سرا میں آئے

اخلاقی رباعی (172) بے ثباتی دنیا

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے  
ماتِ حجاب ہستیِ انساں ہے  
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس بادِ مراد  
سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

بے ثباتی دنیا

(173)

اخلاقی رہائی

کر عجز اگر عاقل و فرزانه ہے  
 دانائی پہ پھولا ہے تو دیوانہ ہے  
 تسبیح کے دانوں پہ نظر کر ناداں  
 گردش میں سدا رہتا ہے جو دانہ ہے

بے ثباتی دنیا

(174)

اخلاقی رہائی

ہر چند زمیں پست فلک عالی ہے  
 پر اُس میں نصیب کس کو خوش حالی ہے  
 ہے چرخ کہن شیشہٴ ساعت گویا  
 ہے خاک ادھر اور ادھر خالی ہے

اخلاقی رہائی (175) بے ثباتی دنیا

غفلت میں نہ کھو عمر کہ پچھتائے گا  
 رونا ہی غمِ شاہ میں کام آئے گا  
 اسبابِ تعلق سے نہ بھر دل اپنا  
 چلتے ہوئے سب کچھ یہیں رہ جائے گا

اخلاقی رہائی (176) بے ثباتی دنیا

ویراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے  
 راحت سے کوئی، اور کوئی فریادی ہے  
 اک عشرت و غم کا ہے مرقعِ دنیا  
 ماتم ہے کسی جا، تو کہیں شادی ہے

اخلاقی رہائی (177) بے شہائی دنیا

ہر دم مجھے سامنا صعوبات کا ہے  
اندیشہ و اضطراب دن رات کا ہے  
تنہا میں، فلک کنجی پہ، خلقت دشمن  
ہاں گر ہے تو آسرا تری ذات کا ہے

اخلاقی رہائی (178) بے شہائی دنیا

کیوں آج دلا! خیال فردا نہ کیا  
بھولا جو برے وقت کو اچھا نہ کیا  
پیدا کیا سب کچھ تو، مگر آہ انیس!  
زاد سفر مرگ، مہیا نہ کیا

بے شبانی دنیا

(179)

اخلاقی رہائی

ضایع نہ کر آغوش کے پالے دل کو  
کرتے ہیں پسند درد والے دل کو  
درکار اگر ہے زاو زاو عقیقی  
سب چھوڑ کے، دنیا سے اٹھالے دل کو

بے شبانی دنیا

(180)

اخلاقی رہائی

نمٹت میں نہ کھو عمر جہاں فانی ہے  
پتھ خیر تو کر لے وہی کام آئی ہے  
کار امروز را بفردا نہ گزار  
جو رہ گیا آج کل پشیمانی ہے

بے ثباتی دنیا

(181)

اخلاقی رہائی

جو شے ہے فنا، اُسے بقا سمجھا ہے  
جو چیز ہے کم، اُسے سوا سمجھا ہے  
ہے بحر جہاں میں عمر مانندِ حباب  
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

بے ثباتی دنیا

(182)

اخلاقی رہائی

کانوں میں سدا حرفِ پریشانی ہے  
دیکھا جدھر آنکھ اٹھا کے ویرانی ہے  
مشہور علاجِ دردِ سر ہے صندل  
یاں خاکِ لحدِ صندلِ پیشانی ہے

بے ثباتی دنیا

183

اخلاقی رہائی

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں  
جز تیرا کرم، کچھ اور درکار نہیں  
مجھ سا نہیں عالم میں گنہ گار اگر  
تجھ سا بھی تو اور کوئی غفّار نہیں

بے ثباتی دنیا

184

اخلاقی رہائی

ڈھونڈوں تو نہ صورتِ بحالی نکلی  
کیا ورطہٴ غم سے طبعِ عالی نکلی  
سو بار بھروں تو شورِ بختِ ایسا ہوں  
دریا سے مرا جام بھی خالی نکلی

بے ثباتی دنیا

185

اخلاقی رہائی

جس شخص کو عقبی کی طلب گاری ہے  
دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے  
اک چشم میں کس طرح سائیں دونوں  
غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

بے ثباتی دنیا

186

اخلاقی رہائی

ایذا سے نہ کوئی اُس میں اصلاً چھوٹا  
ادنیٰ چھوٹا، نہ کوئی اعلیٰ چھوٹا  
دنیا کا بھی زنداں ہے عجب مہلک و سخت  
جس میں پھنس کر نہ کوئی بندا چھوٹا



بے ثباتی دنیا

187

اخلاقی رہائی

آنکھیں کھولیں، مگر یہ پردا نہ کھلا  
 سب ہم پہ کھلا، پہ حال دنیا نہ کھلا  
 دریاے تفکر میں رہے برسوں غرق  
 مانندِ حباب یہ معنا نہ کھلا

بے ثباتی دنیا

188

اخلاقی رہائی

دنیا سے رہائی ہو یہ وہ جال نہیں  
 چھوٹے بھی جو مر کر تو پروبال نہیں  
 ظاہر بینوں کو کیا خبر باطن کی  
 آئینے میں عکسِ صورتِ حال نہیں

بے ثباتی دنیا

189

اخلاقی رہائی

جز غم کوئی جنس یاں نہ سستی دیکھی  
 پایا اُسے ویران، جو بستی دیکھی  
 جو فیل نشیں تھے کل، پیادہ ہیں وہ آج  
 دنیا کی بلندی میں یہ پستی دیکھی

بے ثباتی دنیا

190

اخلاقی رہائی

دنیا کو نہ جانو کہ دل آرام ہے یہ  
 اے پختہ مزاجو! طمعِ خام ہے یہ  
 ہاں سوچ کے پاؤں اس زمیں پہ رکھیو!  
 چھٹتا نہیں پھنس کے جس میں وہ دام ہے یہ

بے ثباتی دنیا

191

اخلاقی رہائی

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی  
 ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی  
 جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا  
 جو جا کے نہ آئے، وہ جوانی دیکھی

بے ثباتی دنیا

192

اخلاقی رہائی

غافل وہ ہے جو عاقبت اندیش نہیں  
 وہ کون سا نوش ہے جو بے نوش نہیں  
 جاتے ہیں جہاں سے لوگ آگے پیچھے  
 افسوس کہ کچھ تجھ کو پس و پیش نہیں

بے ثباتی دنیا

(193)

اخلاقی رہائی

راحت کا مزا عدوے جانی نکلا  
دل سے نہ کبھی غم نہانی نکلا  
پیا سے رہے آ کے چاہِ دنیا پہ، انیس!  
نکلا بھی غلبھی، تو شور پانی نکلا

پیری-ضعف

(194)

اخلاقی رہائی

ہشیار کہ وقتِ ساز و برگ آیا ہے  
ہنگامِ بَخ و برف و گمرگ آیا ہے  
محتاجِ عصا ہوئے تو پیری نے کہا  
چلیے اب چوبِ دارِ مرگ آیا ہے

اخلاقی رہائی (195) پیری-ضعف

دل سے طاقت بدن سے گس جاتا ہے  
 آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے  
 جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا  
 یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

اخلاقی رہائی (196) پیری-ضعف

پیری آئی عذار بے نور ہوئے  
 یارانِ شباب پاس سے دور ہوئے  
 لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انہیں  
 جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

پیری-ضعف

197

اخلاقی رہائی

پیری سے خاک مہ بانی نہ ہوئی  
 وقت آخر بھی کامرانی نہ ہوئی  
 یوں توڑتا دم کہ دیکھنے آتے لوگ  
 افسوس ہے اس وقت جوانی نہ ہوئی

پیری-ضعف

198

اخلاقی رہائی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے؟  
 پیری میں یہ شکلِ نوجواں پھرتا ہے  
 عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر  
 خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

اخلاقی رہائی (199) چری-ضعف

آزادی میں آفتِ اسیری آئی  
شاہی نہ ہوئی تھی کہ فقیری آئی  
ایامِ شب کس کو کہتے ہیں انیس  
موسمِ طفلی کا تھا کہ چری آئی

اخلاقی رہائی (200) چری-ضعف

پوشیدہ ہو خاک میں کہ پردہ ہے یہی  
منزل ہے یہی، بشر کا مادا ہے یہی  
انگشت سے ہر بار یہ کہتا ہے عصا  
اے چرِ زمیں گیر تری جا ہے یہی

پیری-ضعف

(201)

اخلاقی رہائی

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا  
کھانے کی نہ لذت، نہ مزا پانی کا  
مر رہے کسی دشت کے دامن میں انیس!  
پردہ ہے یہی جامہ عریانی کا

پیری-ضعف

(202)

اخلاقی رہائی

پیری میں یہ تن کا حال ہو جاتا ہے  
ہر موئے بدن وبال ہو جاتا ہے  
دنیا میں کمال کو بھی آخر ہے زوال  
جب بدر گھٹا ہلال ہو جاتا ہے



اخلاقی رہائی (203) چری-ضعف

راتیں نہ وہ اب ہوں گی، نہ خواب آئے گا  
آیا بھی تو زیست کا جواب آئے گا  
اُٹھو، اب انتظار کس کا ہے، انیس!  
نے عمر پھرے گی، نہ شباب آئے گا

اخلاقی رہائی (204) چری-ضعف

خاطر کو کبھی نہ مطمئن دکھلایا  
اے عمرِ دراز! خوب سن دکھلایا  
ہلتا ہے جو سر، تو کہتے ہیں موئے سپید  
راتوں نے شباب کی یہ دن دکھلایا

پیری۔ ضعف

(205)

اخلاقی رہائی

پیری سے بدن زار ہوا زاری کر  
دنیا سے انہیں اب تو بیزاری کر  
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سپید  
ہے صبح اجل گُوج کی تیاری کر

پیری۔ ضعف

(206)

اخلاقی رہائی

جب اُٹھ گیا سایہ جوانی سر سے  
پھر ہوگی جدا نہ سرگرائی سر سے  
کچھ ہوگا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انہیں  
جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

اخلاقی رہائی (207) پیری-ضعف

جب تک ہے جواں، سیر ہے نگارہ ہے  
پیری سے بھلا بشر کا کیا چارہ ہے  
جھک جائے سوئے زمیں نہ کیونکر قدراست  
اک روح پہ یہ خاک کا پشتارہ ہے

۴۰ اخلاقی رہائی (208) موت-فانی دنیا

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا  
مشکل آنا اس انجمن میں ہوگا  
نازاں نہ ہو، رختِ نو پہن کر غافل  
اک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

موت۔ فانی دنیا

(209)

اخلاقی رہائی

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے!  
 اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے!  
 تھا کون سا نخل، جس نے دیکھی نہ خزاں؟  
 وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے!

موت۔ فانی دنیا

(210)

اخلاقی رہائی

طفلی دیکھی، شباب دیکھا ہم نے  
 ہستی کو حبابِ آب دیکھا ہم نے  
 جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا  
 جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

اخلاقی رہائی (211) موت - فانی دنیا

سینے میں یہ دم شمع سحرگاہی ہے  
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے  
پیچھے کنبھی قافلے سے رہتا نہ انیس  
اے عمرِ دراز! تیری کوتاہی ہے

اخلاقی رہائی (212) موت - فانی دنیا

ہے کون جو رنجِ مرگ سہنے کا نہیں  
احوال یہ گوگو ہے، کہنے کا نہیں  
آمادۂ کوچ رہ جہاں میں غافل  
ہشیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

اخلاقی رہائی (213) موت۔ ثانی دنیا

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا  
کشتی وہ ہوئی غرق، وہ بیڑا نہ رہا  
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے، انیس!  
جب ہم نہ رہے، تو کچھ بکھیرا نہ رہا

اخلاقی رہائی (214) موت۔ ثانی دنیا

کچھ عقل کی میزان میں تولنا نہ گیا  
چپ ہو گئے اس طرح کہ بولا نہ گیا  
عقدے سب حل ہوئے، مگر آہ، انیس!  
یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا

موت۔ فانی دنیا

(215)

اخلاقی رہائی

دو دن کی حیات پر عبث غرہ ہے  
 خورشید نہ بن، خاک کا تو ذرہ ہے  
 مرؤم کے نہالِ زندگانی کے لیے  
 یہ آمد و شد دم کی نہیں اڑہ ہے

موت۔ فانی دنیا

(216)

اخلاقی رہائی

آرام سے کس دن تیرا افلاک رہے  
 عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے  
 عبرت کا محل ہے ہم رہیں دنیا میں  
 افسوس نہ جب پختنِ پاک رہے

اخلاقی رہائی (217) موت - فانی دنیا

طے منزلِ وحشت و محن ہونی ہے  
فرقت، بینِ روح و تن ہونی ہے  
کیوں نامِ کفن سن کے لرزتا ہے انیس  
اک دن یہ قبا زیبِ بدن ہونی ہے

اخلاقی رہائی (218) موت - فانی دنیا

دل بُت سے اٹھا کے حق پرستی کیجیے  
بے تنغِ انیس قطعِ ہستی کیجیے  
آخر اک دن یہ پاؤں ہوں گے بیکار  
بہتر ہے یہی کہ پیشِ دستی کیجیے



اخلاقی رہائی (219) موت - فانی دنیا

وہ تخت کدھر ہیں اور کہاں تاج ہیں وہ  
جو اوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ  
قرآن لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے  
اک سورہ الحمد کے محتاج ہیں وہ

اخلاقی رہائی (220) موت - فانی دنیا

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے  
غافل تھے فکر آب و دانے کی ہے  
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا  
آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

موت۔ قاتی دنیا

(221)

اخلاقی رہائی

آفاق میں مرنے کے لیے جینا ہے  
اس زیت پہ کیا حسد ہے کیا کینا ہے  
جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ  
احوال سکندر کا تو آئینہ ہے

موت۔ قاتی دنیا

(222)

اخلاقی رہائی

مجموعہ خاطر ان دنوں ابتر ہے  
جو رگ ہے بدن پہ رشتہ مسطر ہے  
معنی سے بھرا ہوا ہے دل شکل کتاب  
کیا غم ہے جو تن مثل قلم لاغر ہے

اخلاقی رہائی (223) موت-فانی دنیا

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا  
یارو! کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا  
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جز یاس  
آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

اخلاقی رہائی (224) موت-فانی دنیا

یاں آئے ملال و رنج سہنے کے لیے  
دم بھر نہ ہوئے، امیر، کہنے کے لیے  
محتاج کے محتاج اُسی طرح رہے  
پائے تھے یہ ہاتھ خالی رہنے کے لیے

موت - فانی دنیا

(225)

اخلاقی رہائی

کچھ چند و نصیحت نے بھی تاثیر نہ کی  
 دُنیا کے کسی کام میں تاخیر نہ کی  
 دن رات یہیں کے ساز و ساماں میں رہے  
 جانا ہے کہاں کچھ اس کی تدبیر نہ کی

موت - فانی دنیا

(226)

اخلاقی رہائی

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لیے  
 انسان کا دل ہے داغ اٹھانے کے لیے  
 بوڑھا ہو کہ نوجواں، غنی ہو کہ فقیر  
 سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لیے

اخلاقی رہائی (227) موت - فانی دنیا

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے  
 پیانہ عمر ایک دن بھرنا ہے  
 ہاں توشہ آخرت مہیا کر لے  
 غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

اخلاقی رہائی (228) موت - فانی دنیا

گھر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے  
 اس باغ جہاں سے مثل بو نکلیں گے  
 جب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو  
 پر جب نکلے بہ آبرو نکلیں گے

موت - فانی دنیا

(229)

اخلاقی رہائی

دل سے دنیا کے دلوے جاتے ہیں  
 اک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں  
 ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیس!  
 بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

موت - فانی دنیا

(230)

اخلاقی رہائی

کچھ ملک عدم میں رنج کا نام نہ تھا  
 معلوم ہمیں اپنا سر انجام نہ تھا  
 آئے جو یہاں تو بس ہوا یہ ثابت  
 اک موت سے ملنا تھا کوئی کام نہ تھا

موت - فانی دنیا

(231)

اخلاقی رہائی

دل میں غم یارانِ وطن لے کے چلے  
 اس باغ سے داغوں کا چمن لے کے چلے  
 نقصاں کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل، آہ  
 جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

موت - فانی دنیا

(232)

اخلاقی رہائی

گو صورتِ دریا ہمہ تن جوش ہوں میں  
 لب خشک ہیں چشم تر ہے، خاموش ہوں میں  
 کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن میرا  
 مانند حباب خانہ بردوش ہوں میں

موت۔ فانی دنیا

(233)

اخلاقی رہائی

شاہوں کا وہ تخت و علم و تاج نہیں  
یاں کچھ شرف غنی و محتاج نہیں  
حسرت کی جگہ یہ ہے کہ اکثر اشخاص  
کل تک انہیں لوگوں میں تھے اور آج نہیں

موت۔ فانی دنیا

(234)

اخلاقی رہائی

اک شعلہ نور بطور سے آیا ہے  
مژدہ جاں بخش دور سے آیا ہے  
باندھو کمر آداب بجا لاکے انہیں  
فرمان طلب حضور سے آیا ہے



اخلاقی رہائی (235) موت - فانی دنیا

ادبار کا کھٹکا چشم و جاہ میں ہے  
جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے  
اُٹھو اُٹھو یہ خواب غفلت کب تک  
دیکھو دیکھو اجل کیس گاہ میں ہے

اخلاقی رہائی (236) قبر

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا  
جُز خاک، نہ تکیہ نہ پچھونا ہوگا  
تہائی میں آہ! کون ہووے گا انیس  
ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

قبر

(237)

اخلاقی رہائی

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے  
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے  
نے دوست کا جھگڑا نہ کسی دشمن کا  
مرقد بھی عجب گوشے تنہائی ہے

قبر

(238)

اخلاقی رہائی

اک روز جہاں سے جان کھوتا ہوگا  
گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا  
بالش سے سر دکار نہ بستر سے غرض  
اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا

قبر

(239)

اخلاقی رہائی

یاں سے نہ کسی کو ساتھ لے جائیں گے  
تجہا ہی لحد میں پاؤں پھیلائیں گے  
کوئی نہ شریکِ حال ہوگا اپنا  
واللہ بس اعمال ہی کام آئیں گے

قبر

(240)

اخلاقی رہائی

اُس ملک سے دنیا کی ہوس میں آئے  
اب جائیں کہاں؟ اجل کے بس میں آئے  
گھر سے نکلے تو کنجِ مرقد پایا  
جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے

قبر

(241)

اخلاقی رہائی

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گزری  
کیونکر تاریک گھر میں تنہا گزری  
اے کنجِ لحد کے سونے والو! افسوس!  
کس سے پوچھیں کہ تم پہ کیا کیا گزری

قبر

(242)

اخلاقی رہائی

نے آہِ دہن سے نہ فغاں نکلے گی  
آوازِ علیٰ علیٰ کی ہاں نکلے گی  
جس طرح نگہِ چشم سے باہر ہو انیس  
یوں بے خبری میں تن سے جاں نکلے گی

اخلاقی رہائی (243) قبر

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گئے  
دولت نہ گنی ساتھ نہ اطفال گئے  
پہنچا کے لحدِ تلک پھر آئے احباب  
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

اخلاقی رہائی (244) قبر

ہر چند کہ ہے بلند پایہ سر کا  
پر حیف ہوا تمام مایہ سر کا  
کہتی ہے یہ پشتِ خم کہ چل سوئے لحد  
گرتا ہے ترے پاؤں پہ سایہ سر کا

قبر

(245)

اخلاقی رہائی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے  
 رُخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے  
 کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر!  
 میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

قبر

(246)

اخلاقی رہائی

دنیا سے کوئی دم میں سفر تیرا ہے  
 نے مال نہ فرزند نہ زر تیرا ہے  
 آغازِ عمارت کی عبث ہے تجھے فکر  
 انجام کو دیکھ، قبر گھر تیرا ہے

قبر

(247)

اخلاقی رہائی

محبوب کو ہم کنار بھی دیکھ لیا  
 ثرت دیکھی، فشار بھی دیکھ لیا  
 بے مہری آسماں کے شاکی تھے بہت  
 صد شکر، زمیں کا پیار بھی دیکھ لیا

قبر

(248)

اخلاقی رہائی

اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے  
 آرام انجھی قبر میں کرنا ہے تجھے  
 رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاؤں انیس  
 اک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

قبر

(249)

اخلاقی رہائی

درد و الم ممت کیوں کر گزرے  
یہ چند نفس حیات کیوں کر گزرے  
مرنے کا تو دن گزر گیا، شکر انیس  
اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

قبر

(250)

اخلاقی رہائی

جب دائر فنا سے جان کھوٹا ہوگا  
میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا  
عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیس!  
کیا گزرے گی، جب قبر میں سونا ہوگا



قبر

(251)

اخلاقی رہائی

اب خواب سے چونک وقتِ بیداری ہے  
 لے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے  
 مرمر کے پہنچتے ہیں مسافر واں تک  
 یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

قبر

(252)

اخلاقی رہائی

خاروں سے خلش نہ پھول سے کاوش ہے  
 راحت کی طلب، نہ چین کی خواہش ہے  
 ہدم بیگانگی، مکاں گوشہٴ قبر  
 بسترِ یہی خاک، ترکِ سرِ بالش ہے

قبر

(253)

اخلاقی رہائی

فردوس ہر اک قبر کا کونا ہوگا  
مخل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا  
راحت دنیا میں غیر ممکن ہے، انیس!  
آرام سے ہاں، لحد میں سوتا ہوگا

قبر

(254)

اخلاقی رہائی

بالوں پہ غبار شیب ظاہر ہے اب  
ہشیار انیس تو مسافر ہے اب  
پیدا ہے۔ سپیدی سحر چہری کی  
لے خواب سے چونک، رات آخر ہے اب

قبر

(255)

اخلاقی رہائی

اب زمرِ قدمِ لوح کا باب آ پہنچا  
 ہشیار ہو جلدِ وقتِ خواب آ پہنچا  
 پیری کی بھی دوپہر ڈھلی، آہ انیس!  
 ہنگامِ غروبِ آفتاب آ پہنچا

قبر

(256)

اخلاقی رہائی

جب خاک میں ہستی کا چمن ملتا ہے  
 یارانِ وطن پھر، نہ وطن ملتا ہے  
 اسبابِ جہاں سے دیکھ تو اے غافل  
 مٹی ملتی ہے اور کفن ملتا ہے

قبر

(257)

اخلاقی ربائی

ہر اوج کو ایک روز پستی ہوگی  
اپنی کسی دیرانے میں بستی ہوگی  
ہے کون جو مینہ اشکوں کا برسائے گا  
حسرت مری تربت پہ برستی ہوگی

ریاضت شاعری - مرق ریوی

(258)

ذاتی ربائی

کیا جایے صبر و تاب کہتے ہیں کسے  
آرام ہے کیا، شباب کہتے ہیں کسے  
پھنکتا رہتا ہوں تا سحر صورتِ شمع  
آگاہ نہیں کہ خواب کہتے ہیں کسے

بخشش

(259)

ذاتی رہائی

بخشش میں غمِ شاد کو کافی پایا  
 ثُربت میں بھی لطفِ سینہ صافی پایا  
 دوزخ کیسا، دکھا کے دانگوں کا چراغ  
 ہم نے پروانہ معافی پایا

تعارف-تعلیق-شرف

(260)

ذاتی رہائی

بالیدہ ہوں، وہ اوج مجھے آج ملا  
 ظنِ علمِ صاحبِ معراج ملا  
 منبر پہ نشست، سر پہ حضرت کا علم  
 اب چاہیے کیا! تخت ملا، تاج ملا

تعارف - تعلیٰ

(261)

ذاتی رہائی

کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے  
 ناداں یہ کسے فریب تو دیتا ہے  
 لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیس  
 خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

تعارف - تعلیٰ

(262)

ذاتی رہائی

کس دن فرسِ خامہ تگ و دو میں نہیں  
 مجھ ، ابھی یہ بخت کوئی سو میں نہیں  
 ہرچند کہ ہوں خسروِ اقلیمِ خن  
 پر غیر دوات کچھ قلمرو میں نہیں

تعارف-تعلیٰ

(263)

ذاتی رہائی

آئینہ ہے سب حال وہ حیراں ہوں میں  
 خاطر ہے جمع، گو پریشاں ہوں میں  
 مرسوم کی پلک پلکی کہ مطلب سمجھا  
 ہر اک کی نگاہ کا زبانِ دان ہوں میں

تعارف-تعلیٰ-مشقِ سخن

(264)

ذاتی رہائی

ہشیار ہے سب سے باخبر ہے جب تک  
 بیدار ہے، عالم پہ نظر ہے جب تک  
 پیدا ہے صریرِ کلک سے یہ آواز  
 کر فکرِ سخن، زبانِ تر ہے جب تک

ذاتی رہائی (265) تعارف-تعلقی

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے  
جرات واجب ہے کج کلاہی کے لیے  
لازم ہے کہ ہو اہلِ سخن تیز زباں  
تکوار ضروری ہے سپاہی کے لیے

ذاتی رہائی (266) تعارف-تعلقی-قدروانی اسباب

ہر بند پہ ڈاکر کو صلا دیتے ہیں  
ہر شعر کی داد جا بجا دیتے ہیں  
کیا جانے کالموں پہ کیا ہو گا لطف  
مجھ سے ناقص کا دل بڑھا دیتے ہیں



ذاتی رہائی (267) تعارف-تعلیٰ-شیریں بیانی

کس منہ سے کہوں لائق تحسین ہوں میں  
کیا لطف جو گل کہے کہ رنگیں ہوں میں  
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر  
کہتی ہے کہیں شکر، کہ شیریں ہوں میں

ذاتی رہائی (268) تعارف-تعلیٰ-قادر الہیانی

مداح شہہ یثرب و بطحا ہم ہیں  
بر عیب و غرور سے مبرا ہم ہیں  
گو دل میں ہزاروں دُر مضمون ہیں مگر  
خاموش بسانِ لب دریا ہم ہیں

تعارف۔ تعلیٰ

(269)

ذاتی رہائی

باندھے ہوئے گوہرِ سخن لائے ہیں  
بازار جو بند ہے تو شرمائے ہیں  
کہتے تھے یہ روزِ جنس لینے والے  
جب اُٹھ گئے جوہری تو ہم آئے ہیں

تعارف۔ تعلیٰ

(270)

ذاتی رہائی

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے  
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے  
جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے  
گویا کہ زباں کلیدِ گنجینہ ہے

ذاتی رہائی (271) تعارف - تعلق - گل بیانی

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جاے  
اک نعرہ آفرین و تحسین ہو جاے  
جھڑتے ہیں دہن سے پھول لفظوں کے عوض  
یاں آئے سخن چیں بھی تو گل چیں ہو جاے

ذاتی رہائی (272) تعارف - تعلق - قادر الہیانی

ہر ایک سخن میں رنگ آمیزی ہے  
پیری ہے پہ ذہن میں وہی تیزی ہے  
گرتے جاتے نہیں یہ دمدان انیس  
تاحال زباں کو شوقِ در ریزی ہے

ذاتی رہائی (273) تعارف-تعلیٰ-خوشبوئے کلام

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جاے  
عطر عنبر ہر ایک آنسو ہو جاے  
یاد آئے شمیم زلفِ ہمشکلِ رسول  
آہوں کا دھواں حور کا گیسو ہو جاے

ذاتی رہائی (274) تعارف-تعلیٰ

ہیں طور علیحدہ ہمارے سب سے  
بیگانہ و آشنا ہیں بارے سب سے  
دریا سے ملے ہوئے ہیں مثلِ ساحل  
پھر دیکھیے گر تو ہیں کنارے سب سے

ذاتی رباعی (275) تعارف-تعلقی-جاودانہ کلام

ہاں، بعدِ فنا سخنِ نساں ہے میرا  
دنیا میں یہ باغِ بے خزاں ہے میرا  
تاحشر رہے گا نام اس سے روشن  
ہر شعرِ چراغِ دودماں ہے میرا

ذاتی رباعی (276) تعارف-تعلقی-مدید واریزی

ہر شب تکلیفِ جاں کنی ہوتی ہے  
تب مدحِ امامِ مدنی ہوتی ہے  
بے سوز و گداز کب سخن کو ہو فروغ  
جب شمعِ گھلے تو روشنی ہوتی ہے

ذاتی رہائی (277) تعارف-تعلیٰ-قادرا الکلامی

فرست نہ ذرا چشم کو اک پل بھر دوں  
ہو جائیں پہاڑ غرق، جنگل بھر دوں  
کیا ابر مقابلہ کرے گا میرا  
دم بھر روؤں! اگر تو جل تھل بھر دوں

ذاتی رہائی (278) تعارف-تعلیٰ

مضمون گوہر ہیں اور صدف سینہ ہے  
ہے صاف تو یہ، کہ قلب بے کینہ ہے  
آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا انیس  
ہم اُس کو نظر آئیں گے جو پینا ہے

تعارف-تعلیٰ

(279)

ذاتی رہائی

مشکِ ختنِ نظم کہاں بند کروں  
 مہکے گا یہ آپ اس کو جہاں بند کروں  
 ہیں نافہ کشائے خن اس بزم کے لوگ  
 دل ان کے کھلیں کب جو زباں بند کروں

تعارف-تعلیٰ-نکتہ دانی

(280)

ذاتی رہائی

گلچیں کو غرور گل فشانی کا ہے  
 غرہ بلبل کو خوش بیانی کا ہے  
 خالِ رُخ اکبر کی جو کی ہے توصیف  
 دعویٰ ہم کو بھی نکتہ دانی کا ہے

ذاتی رہائی (281) تعارف-تعلیٰ-لفظ-نخن

لفظوں میں نمک نخن میں شیرینی ہے  
دعوائے ہنر، نہ عیب خود بینی ہے  
مداح گل گلشن زہرا ہم ہیں  
غنچے کی طرح زباں میں رنگینی ہے

ذاتی رہائی (282) تعارف-تعلیٰ-روز مزا

بے جا نہیں مدح شہدہ میں غزا میرا  
بھرتی سے کلام ہے مزا میرا  
مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا  
مرجاتے ہیں سن کے روز مزا میرا



ذاتی رہائی (283) تعارف - تعلی - حسن بیان

تاہاں فلکِ سخن کے تارے ہم ہیں  
 ممتاز اسی شرف سے بارے ہم ہیں  
 ہر چند ہے حسنِ سخن اُس پر موقوف  
 پر قافیے کی طرح کنارے ہم ہیں

ذاتی رہائی (284) تعارف - تعلی - عاطفہ بند ہیں

گلہائے مضامین کو کہاں بند کروں  
 خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں  
 میں باعثِ نغمہِ سنجی بلبل ہوں  
 کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں

ذاتی رہائی (285) تعارف-تعلیٰ-مذاجی ٹھہر

رُتبہ نہ ہو کیوں نظم میں برتر میرا  
مذاجی ختم ہے جوہر میرا  
ممکن نہیں بعد مرگ بھی قطعِ سخن  
خامے کی طرح اگر کئے سر میرا

ذاتی رہائی (286) تعارف-تعلیٰ

کانپا نہ جگر، نہ دل نہ چہرا اُترا  
کس بحر میں بے خوف و خطر جا اُترا  
ساحل پہ جس کے ٹھہرے یارو قدم  
دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اُترا

ذاتی رہائی (287) تعارف-تعلقی-شیریں بہانی

نے مدح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے  
باتوں میں اثر زباں میں رنگینی ہے  
شیرینی میں ہے نمک حلاوت دیکھو  
ہے طرفہ مزا نمک میں شیرینی ہے

ذاتی رہائی (288) تعارف-تعلقی-تخیل چاندۂ الالامیں

کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں  
مانند نگہ، بلند پرواز ہوں میں  
جاتا ہی نہیں، مرغِ معانی بیچ کر  
کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں

ذاتی رہائی (289) تعارف-تعلقی

پروا تنجِ زباں کو بجنے کی نہیں  
حاجتِ طبلِ سخن کو بجنے کی نہیں  
دُربار ہے ابرِ طبع لیکن ہوں خموش  
عادت ہے برسنے کی گر جتنے کی نہیں

ذاتی رہائی (290) تعارف-تعلقی-ریاضت

دل روز بروز ناتواں رہتا ہے  
مضمونِ سبکِ دل پہ گراں رہتا ہے  
ہر آن گھلاتی ہے مجھے فکرِ سخن  
تن مثلِ قلمِ صرفِ زباں رہتا ہے

تعارف۔ تعلیٰ

(291)

ذاتی رہائی

کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ، کیا کیا اُترا  
 پر نقشہ نہ اُلفتِ علیٰ کا اُترا  
 جب ہوش میں آ کے تھم گئی طبعِ انیس!  
 ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

تعارف۔ تعلیٰ

(292)

ذاتی رہائی

مضمونِ انیس کا نہ چہرہ اُترا  
 اُترا بھی، تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا  
 نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی  
 تصویر نہ کھینچ سکی، تو چہرہ اُترا

تعارف-تعلقی

(293)

ذاتی رہائی

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو  
ذی فہم سے لطفِ نکتہ دانی پوچھو  
اندازِ کلامِ حق سمجھتا ہے کلیم  
موسّٰی سے رموزِ لن ترانی پوچھو

تعلقی-مہجر بیانی

(294)

ذاتی رہائی

ہو جاتی ہے سہل پیشِ وانا مشکل  
دل نے نہ کسی امر کو جانا مشکل  
مدحِ شبّہ ویں میں ہے گر دل کا یہ قول  
ہے بحرِ کا کوزے میں سماتا مشکل

پل صراط

(295)

ذاتی رہائی

عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے  
تھڑاتا ہے کیوں انیس، پھر کیا ڈر ہے  
کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہ صراط  
شبیر سا دنگیر یاں رہبر ہے

نیامری - سفر آخرت

(296)

ذاتی رہائی

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں  
رخصت اے زندگی کہ مرنا ہوں میں  
اللہ سے نو لگی ہوئی ہے میری  
اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

سرمایہ بخشش

(297)

ذاتی رہائی

بخشش کے لیے مرثیہ خوانی ہے مری  
غم کے لیے پیری و جوانی ہے مری  
روٹا ہے کبھی اور کبھی آپیں بھرنا  
اس آب و ہوا سے زندگانی ہے مری

پجاری-بالین

(298)

ذاتی رہائی

جب نزع رواں سے جسم بے قابو ہو  
لب پر تیرا ہو ذکر، دل میں تو ہو  
ہر آہ میں ہو صدا کہ یا حی و قدیر  
ہر سانس میں لا الہ الا ہو



پجاری-ہالین

(299)

ذاتی رہائی

دردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا  
 پنہاں تن ناتواں کفن میں ہوگا  
 اُس روز کریں گے یاد رونے والے  
 جس دن نہ انیس انجمن میں ہوگا

پجاری-شفا

(300)

ذاتی رہائی

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے  
 ہر درد میں خالق کا کرم وانی ہے  
 درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو  
 امدادِ امامِ قل کفی کافی ہے

ذاتی رہائی (301) بلند کلام - محکم آواز

اندازِ سخن تم جو ہمارے سمجھو  
جو لطفِ کلام ہیں وہ سارے سمجھو  
آواز گرفتہ گو ہے اس ذاکر کی  
پہرہ روؤ اگر اشارے سمجھو

ذاتی رہائی (302) بیماری - بالین

بیمار کی بالیں پہ مسجائے  
آقا آئے، ہمارے آقا آئے  
عجلت کا محل ہے پیشوائی کے لیے  
اے جان نکل علی علی آئے

بیاری-خطابت

(303)

ذاتی رہائی

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے  
کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے  
یہ ہے غمِ شہیر کی تاثیر انیس  
آوازِ قلق سوگ نشیں ہوتی ہے

ضعف-بیاری

(304)

ذاتی رہائی

دُکھ میں ہر شب کراہتا ہوں یا رب!  
اب زیت کے دن نباہتا ہوں یا رب!  
طالبِ زر و مال کے ہیں سب دنیا میں  
میں تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں یا رب!

ضعف - بیماری

(305)

ذاتی رہائی

تن پر ہے عرق عجب تب و تاب میں ہوں  
کیا جانے غش آگیا ہے یا خواب میں ہوں  
اک سینہ سوز ناک و چشمِ نم سے  
آتش میں کبھی ہوں اور کبھی آب میں ہوں

بہری - ضعف

(306)

ذاتی رہائی

ہر لحظہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری  
بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری  
آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جو میں انیس  
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

ذاتی رہائی (307) پیری-ضعف

ہے سخت ملول طبع ناساز مری  
نوحہ ہے صدائے نغمہ پرداز مری  
اللہ رے زور ناتوانی کا انیس  
آوازہ مرگِ دل ہے آواز مری

ذاتی رہائی (308) پیری-ضعف

کھینچے مجھے موت زندگانی کی طرف  
غم خود لے جائے شادمانی کی طرف  
تیرا جو کرم ہو تو مثالِ میرِ نو  
پیری سے پہنچ جاؤں جوانی کی طرف

چیری-ضعف

(309)

ذاتی رہائی

کس جسم پہ بل کروں کہ شہ زور ہوں میں  
دیکھو کہ ضعیف صورتِ مور ہوں میں  
تن پہ یہ پڑی ہے گردِ بازارِ کساد  
ہوتا ہے یقیں کہ زندہ درگور ہوں میں

چیری-ضعف

(310)

ذاتی رہائی

کم زور ایسا کسی کو چیری نہ کرے  
بلبل کا بھی یہ حال اسیری نہ کرے  
رہ جاؤں زمیں پہ صورتِ نقشِ قدم  
گر میری عصا بھی دنگیری نہ کرے

ذاتی رباعی (311) بھری-ضعف

آلودہ عبث اس غم جائزگاہ میں ہے  
 زندہ ہے وہ دل جو یادِ اللہ میں ہے  
 اپنی واماندگی سے گھبرا نہ انیس  
 پہنچا کوئی منزل پہ، کوئی راہ میں ہے

ذاتی رباعی (312) بھری-ضعف

عقبے کے ہر اک کام سے ناکام ہے تو  
 اس وقت میں بھی طالبِ آرام ہے تو  
 اے وائے انیس پختہ کاری یہ تری!  
 سب بال تو پک گئے، مگر خام ہے تو

جیری-ضعف

(313)

ذاتی رہائی

عازم طرفِ عالم بالا ہوں میں  
ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں  
یا رب! ترا نامِ پاک چھپنے کے لیے  
گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

جیری-ضعف

(314)

ذاتی رہائی

یہ عمر یونہی تمام ہو جائے گی  
مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی  
روتے ہو انیس کیا جوانی کے لیے  
پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی



ضعفِ صدا

(315)

ذاتی رہائی

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز  
 پر تعزیہ دار شاہِ دیں ہے آواز  
 نکلے نہ اگر کجِ دہن سے تو بجا  
 ماتم کے ہیں دن، سوگ نشیں ہے آواز

قدِ رخنِ فہم

(316)

ذاتی رہائی

میزانِ رخنِ خنخ میں تکتا ہوں میں  
 فکرِ گہرِ نظر میں گھلتا ہوں میں  
 دل رہتا ہے بندِ قفلِ ابجد کی طرح  
 جب حرفِ شناس ہو تو کھلتا ہوں میں

مکر نکیر

(317)

ذاتی رہائی

واحد ہے جو، عبدِ نیک نام اُس کا ہوں  
یکتا ہے جو، مداحِ مدام اُس کا ہوں  
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس  
قنبر کا جو مولّا ہے، غلام اُس کا ہوں

تعلیٰ - چٹک - ناتقدری

(318)

ذاتی رہائی

ہم سے کوئی اہل کبر غرّا تو کرے  
ہر عیب سے آپ کو مبرا تو کرے  
کیا فاختہ بجھے گی بھلا بلبل سے  
صاف اپنا وہ پہلے روز مزا تو کرے

ذاتی رباعی (319) تعلق - چٹک - مضامین

کب دُزد سے دولتِ ہنر بچتی ہے  
لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے  
ممکن نہیں دُزدانِ مضامین سے نجات  
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

ذاتی رباعی (320) تعلق - چٹک - مسودہ تقدیری

اعلیٰ سے نہ ہوگا کبھی ادنیٰ بھاری  
کھل جاتا ہے ذی قدر پہ ہلکا بھاری  
حاسد سرکش ہے اور میں اُفتادۂ خاک  
اب دیکھیے ہے کون سا پلہ بھاری

ذاتی رہائی (321) تعلق - مخالفین

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے  
 کب تھمتے ہیں جواشک ہیں ڈھلنے والے  
 اللہ ری ترے خن کی تاثیر انیس  
 رو دیتے ہیں مثلِ شمع، جلنے والے

ذاتی رہائی (322) تعلق - اقرار

رونق دو بزمِ خوش بیانی ہم ہیں  
 رہک گل باغِ نکلتہ دانی ہم ہیں  
 فیضِ غم شادِ بحر و بر سے، لاریب  
 دشمن ہے اگر آگ تو پانی ہم ہیں

ذاتی رہائی (323) تعلق سرور مضامین

کس دن مضمونِ نو کا نقشا اُترا  
 پردرد معانی کا نہ چہرا اُترا  
 منبر سے ہم اُترے، نئے مضمون پڑھ کر  
 اُن کے لیے گویا من : سلوا اُترا

ذاتی رہائی (324) ناقدِ ری زمانہ

نافہم سے کب دادِ خن لیتا ہوں  
 دشمن ہو کہ دوست، سب کی سن لیتا ہوں  
 چھپتی نہیں بوے دوستانِ یک رنگ  
 کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

ناقدری زمانہ

(325)

ذاتی رہائی

ناقدری احباب سے حیراں ہوں میں  
آئینہ فروشِ شہرِ کوراں ہوں میں  
ہے اک نظرِ لطف ہماری قیمت  
مینا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

ناقدری - حسادت

(326)

ذاتی رہائی

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی  
لذت دنیا کی زہرِ قاتل ہوتی  
اس وقت میں گرِ خضر و مسجا ہوتے  
دوچار گھڑی بھی زیتِ مشکل ہوتی

تعلیٰ

(327)

ذاتی رباعی

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے  
باعث مدحِ امامِ نامی کا ہے  
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا  
آقا! یہ شرف تیری غلامی کا ہے

خاکساری

(328)

ذاتی رباعی

دل کو آرام، بے قراری سے ملا  
سینے کو سرورِ آہ و زاری سے ملا  
گلزارِ جہاں میں سرفرازی پائی  
یہ پھل مجھے فحلِ خاکساری سے ملا

ذاتی رہائی (329) خاک نشینی - انکساری

پستی میں ہے لطفِ ارجندی مجھ کو  
بھاتا نہیں عیبِ خود پسندی مجھ کو  
عریاں ہوں لباسِ عاریت سے جوں سرو  
ہے خاک نشینی میں بلندی مجھ کو

ذاتی رہائی (330) مقصدِ طولِ عمر

گزرے ہر دم مرا ارادت میں تری  
گردن یہ جھکی رہے عبادت میں تری  
یا رب! مجھے طولِ عمر دے تو، لیکن  
وہ عمر جو کام آئے اطاعت میں تری



دلیہ

(331)

ذاتی رہائی

ہے افسر دیں، تاج سکندر حیدر  
 اور بعد نبی سب سے ہے بہتر حیدر  
 ہے تجھ سے دعا مری یہ اے رب غفور!  
 جاری ہو مری زباں پہ حیدر حیدر

حضرت مہاش کی پناہ

(332)

ذاتی رہائی

اللہ اللہ عز و جاوہِ ذاکر  
 دربارِ حسینی میں ہے راہِ ذاکر  
 پنچہ جو علم کا سرِ منبر ہے انیس  
 ہے دستِ علمدار پناہِ ذاکر

جام کوڑ

(333)

ذاتی رہائی

جو بند کہا وہ نذرِ حیدر کے لیے  
 جو بیت کہی وہ خلد کے گھر کے لیے  
 اس گرمی میں مصروفِ عرق ریزی ہوں  
 اک جامِ شرابِ حوضِ کوڑ کے لیے

راہِ مولّا

(334)

ذاتی رہائی

عزت رہے یار و آشنا کے آگے  
 محبوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے  
 گر پاؤں چلیں تو راہِ مولّا میں چلیں  
 یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

عجز و انکساری

(335)

ذاتی رہائی

کچھ جس سے نہیں حصول وہ کشت ہوں میں  
 قابل نہیں تعمیر کے وہ خشت ہوں میں  
 ناچار، جو مولاً بھی شفاعت نہ کریں  
 مضاطہ کا کیا گلہ کہ خود زشت ہوں میں

نصیب

(336)

ذاتی رہائی

گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے  
 صحرا کا کروں عزم تو دریا ہو جائے  
 موسیٰ کا عصا بھی ہاتھ آجائے اگر  
 قسمت سے مری سوزن عیسیٰ ہو جائے

ذاتی رہائی (337) دنیا راحت کی جگہ نہیں

افسوس کہ چین مصطفیٰ کو نہ ملے  
آرام علی مرتضیٰ کو نہ ملے  
ہم لوگ کسی سے کیا توقع رکھیں  
راحت بندوں سے جب خدا کو نہ ملے

ذاتی رہائی (338) مدح سراہی

کیا ہو سکے، بحر طبع گو جوش پہ ہے  
اک مہر سی گویا لب خاموش پہ ہے  
کس طرح کروں قطع تری مدح کی راہ  
پشتارہ گناہوں کا مرے دوش پہ ہے

ذاتی رہائی (339) قدر و قیمتِ سخن

انسان ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے  
اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے  
گر جان نہیں سخن، تو بتلائے پھر  
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

ذاتی رہائی (340) حاضری کی سرکِ گیری - طلبِ ادا و نام

سنے فریاد یا حسینِ ابنِ علی  
دیجیے مری داد یا حسینِ ابنِ علی  
عالمِ غدار اور میں نحیف و زار  
ایداد ایداد یا حسینِ ابنِ علی

قبر

(341)

ذاتی رہائی

ساتھی شرابِ حوضِ کوثر حیدر  
 حامی حیدر، شفیعِ محشر حیدر  
 پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا  
 میں قبر سے چلاؤں کہ حیدر حیدر

غدر

(342)

سامجی رہائی

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا  
 کیوں چرخِ کہن! نیا یہ کیا دور ہوا  
 گردشِ کب تک، نکل چلو جلد انہیں  
 اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

ساجی رہائی (343) غدر-بربادی لکھنؤ

کیونکر دل غمزہ نہ فریاد کرے  
جب ملک کو یوں غنیمت برباد کرے  
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم  
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

ساجی رہائی (344) غدر-بربادی لکھنؤ

بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب  
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب  
جی بھر کے حسین کو نہ روئے اس سال  
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

یہ رباعی لکھنؤ کی تباہی کے بعد کہی گئی۔ اس زمانے میں محرم برسات میں آیا تھا۔

نور-نور

(345)

ساجی رہائی

اے بادشہ کون و مکاں! اُدِرکنی  
اے عقدہ کشائے دو جہاں! اُدِرکنی  
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے انیس  
یا حضرت صاحب الزماں! اُدِرکنی

انقلاب زندگی

(346)

ساجی رہائی

دل نے غم بے حساب کیا کیا دیکھا  
آنکھوں سے جہاں میں خواب کیا کیا دیکھا  
طفلی و شباب و عیش و رنج و راحت  
اس عمر نے انقلاب کیا کیا دیکھا



در بدری بعد از خدر

(347)

ساجی رہائی

پوچھو نہ خبر کہ بے خبر ہیں اب تو  
آوارہ وطن، خاک بسر ہیں اب تو  
ماندِ نگیں خاک نشیں تھے آگے  
حلقے کی طرح سے در بدر ہیں اب تو

نواب قمل حسین کی منعقدہ مجلس

(348)

ساجی رہائی

امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی  
اللہ جزا دے، اس کرم کرنے کی  
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس  
ملتی نہیں جا بزم میں تِل دھرنے کی

یہ دہائی 1857ء کی اہل کے بعد نواب قمل حسین خاں کی بارہوی، لکھنؤ کی مجلس میں انیس نے پڑھی تھی۔ بنگ  
آزادی کی افرا تفری کے بعد جو مجلس میں بڑا مجمع ہوا۔ ملتی پھر مرہاس صاحب بھی شریک ہوئے تھے ماسی مجلس کی  
طرف اشارہ ہے۔

مجلس مختار الملک

(349)

ساجی رہائی

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں  
 علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں  
 مختار الملک و بندگانِ عالی  
 رحمت رحمت پہ، نور پر نور ہے یاں

رحلت مرزا غالب دہلوی

(350)

ساجی رہائی

گلزارِ جہاں سے باغِ جنت میں گئے  
 مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے  
 مداحِ علی کا مرتبہ اعلا ہے  
 غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے

میر انجس نے یہ رہائی مرزا غالب کے انتقال پر کہی۔

ساجی رہائی (351) رحلت میر مہدی علی لکھنوی

صد حیف کہ یار جاودانی نہ رہا  
 ہتیر کی مجلسوں کا بانی نہ رہا  
 افسوس افسوس میر مہدی افسوس  
 جیتے ہیں یہ لطف زندگانی نہ رہا

یہ رہائی میر انیس نے اپنے سہمی میر مہدی علی لکھنوی کی وفات سے متاثر ہو کر کہی تھی۔

ساجی رہائی (352) حیدر آباد کن

اللہ و رسول حق کی امداد رہے  
 سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے  
 نواب ایسا رئیس اعظم ایسے  
 یارب آباد حیدر آباد رہے

حالات کھنڈ بعد از نذر

(353)

ساجی رہائی

انجام بخیر، ابتدا بگڑی ہے  
 گھر گر نہ پڑے کہیں بنا بگڑی ہے  
 کشتی سے انیس ہم کنارے ہو جائیں  
 اُلٹا دریا بہا، ہوا بگڑی ہے

زیارت - نجف

(354)

امقادی رہائی

گھر میں ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو  
 مرقہ میں نہ ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو  
 گلزار نجف میں مدح خواں ہوگا انیس  
 بلبیل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

اعتقادی ربائی (355) زیارت - نجف آکر بلا

اے بخت رسا سوئے نجف راہی کر  
مجھ زار کو زائرِ یدِ الٰہی کر  
لے جا سوئے کربلا مری مشتِ غبار  
اے بارِ صبا اتنی ہوا خواہی کر

اعتقادی ربائی (356) زیارت - نجف

ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے  
فردوسِ بریں کا باب دیکھا ہم نے  
جا پہنچے نجف میں خاک ہو کر، صد شکر  
دربارِ ابوتراب دیکھا ہم نے

زیارت-نجف

(357)

اعتقادی رباعی

کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی  
مختار ہے مانے کہ نہ مانے کوئی  
ماتا ہے قدم قدم پہ دُرِ مقصود  
چھانے، تو نجف کی خاک چھانے کوئی

زیارت-نجف

(358)

اعتقادی رباعی

سوڑِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے  
آہوں نے کنولِ دل کا بجھا رکھا ہے  
نکلو کہیں جلد، عمر آخر ہے انیس  
اس ہند سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

امتقادِ ربائی (359) زیارت-نحف

کس شہر میں دُور مدعا ملتا ہے  
 سختے ہیں نحف میں بارہا ملتا ہے  
 سرکارِ علی وہ ہے کہ ہر بندے کو  
 دولت کیا مال ہے خدا ملتا ہے

امتقادِ ربائی (360) زیارت-نحف

دل میں ہو ترا درد تو درماں کیا ہے  
 تو پیشِ نظر ہو تو گلستاں کیا ہے  
 گر راہِ نحف میں لاکھ دریا ہیں تو ہوں  
 گر عشقِ حرم ہو تو بیاباں کیا ہے

زیارت-نجف

(361)

اعتقادی رباعی

کیا فیضِ علی کے قدمِ پاک سے ہے  
 روضے کی زمیں بلند افلاک سے ہے  
 بنتا ہے وہاں دُرُ نجف، قطرۂ آب  
 پانی کی بھی آبرو اُسی خاک سے ہے

زیارت-نجف

(362)

اعتقادی رباعی

خورشیدِ شرف برجِ شرف میں ہوگا  
 جوہرِ معدن میں، دُرِ صدف میں ہوگا  
 مشرق میں کہ مغرب میں اسے دفن کرو  
 جو عاشقِ حیدر ہے نجف میں ہوگا



زیارت-نجف

(363)

اعتقادی ربائی

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں  
توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں  
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیس  
کیوں رک گئے پانوں، ہاتھ ملتا ہوں میں

زیارت-نجف

(364)

اعتقادی ربائی

عصیاں بالکل ثواب ہو جاتا ہے  
پریش سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے  
بنتی ہے شراب نو نجف میں سرکہ  
جو زائرِ بوتراب ہو جاتا ہے

زیارت-نہج

(365)

اعتقادِ ربانی

جبریل امیں کو فخر و ربانی ہے  
حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے  
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن  
وہ خاک بھی سرمہ سلیمانی ہے

زیارت-نہج

(366)

اعتقادِ ربانی

توفیقِ ثنائے شبِ دیں پاؤں میں  
جس میں کہ ہے نام وہ نگلیں پاؤں میں  
یارب! دل سے ہوں جس زمیں کا مشتاق  
مر جانے پہ بھی قبر وہیں پاؤں میں

زیارت - نجف

(367)

اعتقادی رہائی

کل دل کو نہیں ہے آج کل، جائیں گے  
 اب ہند سے گھبرا کے نکل جائیں گے  
 ہاتھ آئے تو جادو صراطِ ایماں  
 گر پاؤں تھکے تو سر کے بل جائیں گے

زیارت - نجف

(368)

اعتقادی رہائی

ظلمتِ کدو ہند میں کیا ملتا ہے  
 نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے  
 صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس  
 دُر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

زیارت - نجف

(369)

اعتقادی رہائی

جو روضہ حیدر پہ کسے ہوتا ہے  
وہ داخل فردوس بریں ہوتا ہے  
یوں ہوگا بہشت میں نجف کا طبقہ  
جس طرح کہ خاتم پہ نکلیں ہوتا ہے

زیارت - کربلا

(370)

اعتقادی رہائی

یا زیست میں یا بعد فنا پہنچیں گے  
یاور ہے اگر بخت تو جا پہنچیں گے  
کیا دن ہوں گے غار اس دن کے انیس  
جس روز قریب کر بلا پہنچیں گے

اعتقادی رہائی (371) زیارت-کربلا

جو روضہ شہداء کربلا تک پہنچے  
 بے شبہ و شک وہ مصطفیٰ تک پہنچے  
 اللہ ری عز و شان زوارِ حسین  
 پہنچے جو حسین تک، خدا تک پہنچے

اعتقادی رہائی (372) زیارت-کربلا

اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا  
 بے سود، انیس! ہر دوا کو دیکھا  
 ہر دور کے واسطے سرلیج التا شیر  
 دیکھا تو فقط خاکِ شفا کو دیکھا

اعتقادی رہائی (373) زیارت - کربلا - خاکِ شفا

یا رب! یہ اثر مری دُعا میں مل جائے  
 اک قبر جوارِ شہدا میں مل جائے  
 صدقے میں ابوتراپ کے یا غفار  
 یہ خاک مری خاکِ شفا میں مل جائے

اعتقادی رہائی (374) زیارت - کربلا

مہجور ہوں جنت کے چمن والوں سے  
 مجبور ہوں اپنے بے اثر نالوں سے  
 یا رب وہ مکاں جلد دکھا دے مجھ کو  
 جھاڑا ہے جسے فاطمہؑ نے بالوں سے

زیارت-کربلا

(375)

اعتقادی رہائی

یارب! مری میت کو زمیں پاک ملے  
دلچسپ مکاں، قبر فرحناک ملے  
یوں خاکِ شفا میں مر کے مل جاؤں انیس  
غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک ملے

زیارت-کربلا

(376)

اعتقادی رہائی

جس شخص کو شوقِ کربلا ہوتا ہے  
غربت میں کفیل اُس کا خدا ہوتا ہے  
کیا خضر کی احتیاج اُسے، کعبے میں  
ہر نقشِ قدم قبلہ نما ہوتا ہے

زیارت - کربلا

(377)

اعتقادی رباعی

مرقد میں انیس نہ کفن میں ہوگا  
 وہ روضۂ سلطانِ زمن میں ہوگا  
 چل کر گلزارِ کربلا میں ڈھونڈیں  
 بلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا

زیارت - کربلا

(378)

اعتقادی رباعی

حاصل جو شہِ دیں کی حضوری ہو جائے  
 لاکھوں منزل ستر سے دوری ہو جائے  
 قدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت  
 ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے



زیارت - کربلا

(379)

اعتقادی رباعی

یارب! کہیں جلد وہ زمانا ہووے  
 بندہ سوئے کربلا روانا ہووے  
 لیکن یہ دُعا ہے، یا مجیب الدعوات!  
 جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے

زیارت - مشہد مقدس

(380)

اعتقادی رباعی

جب دور سے ایوانِ عِلا کو دیکھا  
 لاریب کہ عرشِ کبریا کو دیکھا  
 سو بار کیا طوافِ کعبہ، اے دل!  
 اک بار جو روضہٴ رضا کو دیکھا

بزمِ عزاء - مجلسِ عزاء

(381)

اعتقادی رباعی

گلچیں تو بھلا چمن سنوارے ایسے  
 مجلس ایسی نبیؐ کے پیارے ایسے  
 کہتی ہے زمیں کبھی نہ دیکھے ہوں گے  
 گردوں نے بھی گنجان ستارے ایسے

بزمِ عزاء - مجلسِ عزاء

(382)

اعتقادی رباعی

ہے فصلِ عزاء، جدا جدا مجلس ہے  
 گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے  
 ماشاء اللہ، چشمِ بد دور! انیس  
 کیا مجمعِ مومنین ہے، کیا مجلس ہے

اعتقادی رباعی (383) بزم عزا - مجلس عزا

انس و ملک و حور کی مجلس یہ ہے  
تاج سر جمہور کی مجلس یہ ہے  
ہوتی ہے گناہ کی سیاہی زائل  
واللہ عجب نور کی مجلس یہ ہے

اعتقادی رباعی (384) بزم عزا - مجلس عزا

تیر غم شہ سینے میں پیوستہ ہے  
ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے  
ہر رنگ کے گل جمع ہیں اس مجلس میں  
یہ بزم عزا خلد کا گلہستہ ہے

اعتقادی رہائی (385) بزم عزاء۔ مجلس عزاء

یہ بزم عزائے پسر زہرا ہے  
 بیٹھو بہ ادب یاں گزر زہرا ہے  
 چادر سے ہر اک کے اشک کرتی ہیں پاک  
 ہر چشم کے اوپر نظر زہرا ہے

اعتقادی رہائی (386) بزم عزاء۔ مجلس عزاء

ابن اسد اللہ کا دربار ہے یہ  
 مجلس نہیں اک تختہ گلزار ہے یہ  
 پہلے دُر اشک نذر کر لیں مومن  
 پھر چاہیں سولیں نخی کی سرکار ہے یہ

اعتقادی رہائی (387) بزم عزاء - مجلس عزاء

اس بزم کی تعریف کا غل ہر سو ہے  
ایک ایک عزادار شہ خوش ٹو ہے  
یا رب رہے یہ باغ خزاں سے محفوظ  
جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

اعتقادی رہائی (388) بزم عزاء - مجلس عزاء

اُلفت ہو جسے اُسے ولی کہتے ہیں  
ایسوں کو سعید ازلی کہتے ہیں  
اس بزم میں دھوپ اٹھا کے آتے ہیں جو لوگ  
ہنس کر طوبیٰ لکھم علی کہتے ہیں

پدم عزت - مجلس ۷۰

(389)

اعتقادی رہائی

رونے کے لیے روح رسول آتی ہے  
 کونین کی دولت ہمیں مل جاتی ہے  
 شیعہ کرتے ہیں جب دُعائیں مل کر  
 آمیں، آمیں، بتوں فرماتی ہے

پدم عزت - مجلس ۷۱

(390)

اعتقادی رہائی

اک نور کا گھر شہ کا عزاخانہ ہے  
 آباد محبوں سے یہ کاشانہ ہے  
 کیونکر نہ ہو قدسیوں کی یاں جلوہ گری  
 جبریل اسی شمع کا پروانہ ہے

بزم عزا۔ مجلس عزا

(391)

اعتقادی رہائی

اس بزم کو جنگ سے جو خوش پاتے ہیں  
 رضواں لیے گلدستہ نور آتے ہیں  
 کیا صحن ہے گلشنِ عزائے شبیر  
 پانی یہاں خضر آ کے چھڑک جاتے ہیں

بزم عزا۔ مجلس عزا

(392)

اعتقادی رہائی

حاضر ہوں نہ کیوں حضور کی مجلس ہے  
 تھا کہ عجب ظہور کی مجلس ہے  
 دیکھو جدھر آنکھ اٹھا کے روشن ہے مکاں  
 سبحان اللہ نور کی مجلس ہے

اعتقادی رہائی (393) ہزم عزرا۔ مجلس عزرا

مردم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر  
احسان یہ سر پر، یہ قدم آنکھوں پر  
ہے عین شرف خدمت احبابِ حسین  
گو ہو نہ جگہ بٹھائیں ہم آنکھوں پر

اعتقادی رہائی (394) ہزم عزرا۔ مجلس عزرا

افلاکِ شرافت کے ستارے آئے  
فردوس سے یاں نبیؐ کے پیارے آئے  
مجلس میں ہوا روحِ احمدؑ کا زور  
رونے کو طرفدار ہمارے آئے



اعتقادی رہائی (395) بزمِ عزا۔ مجلسِ عزا

دنیا میں ہیں یہ علی کے پیارے ایسے  
 رضواں ہے فدا، گل ہیں یہ سارے ایسے  
 کہتا ہے مہِ عزا کہ افلاک نے بھی  
 دیکھے نہیں گنجان ستارے ایسے

اعتقادی رہائی (396) بزمِ عزا۔ مجلسِ عزا

احساں نہیں گر بزمِ عزا میں آئے  
 آئے تو پناہِ مصطفیٰ میں آئے  
 اس بزم میں آئے جو محبانِ علی  
 راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے

بزمِ عزرا۔ مجلسِ عزرا

(397)

اعتقادی ربائی

ہر نالہ دل جگر کو برما جائے  
ایسا روؤ کہ ابر شرما جائے  
سرما تو گیا سرد ہے کیوں بزمِ حسین  
ٹھنڈی آہیں کرو تو گرما جائے

بزمِ عزرا۔ مجلسِ عزرا

(398)

اعتقادی ربائی

پُر نور ہے سب بزم وہ تارے یہ ہیں  
زہرا و یَدِ اللہ کے پیارے یہ ہیں  
روتے ہیں جو بزمِ غم میں بانالہ و آہ  
شہ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

اعتقادی رباعی (399) بزم عزا - مجلس عزا

دھوپ آ کے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے  
 آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے  
 آہوں کے ہیں پچھے آنسوؤں کا چھڑکاؤ  
 یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

اعتقادی رباعی (400) بزم عزا - مجلس عزا

احباب کا مجمع ہے بہارِ غم ہے  
 کیا خوب فضائے چمنِ ماتم ہے  
 سینے میں کھلے ہیں گلِ داغِ غمِ شاہ  
 گرمی سے عرقِ تن پہ نہیں شبِ نیم ہے

پیمبرؐ - مجلس عزاء

(401)

اعتقادی رہائی

غم ہے ہمیں لیکن انہیں خوشحالی ہے  
پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے  
اُس عشرے میں تھے شریکِ مجلس جو لوگ  
اس سال انہیں کی بس جگہ خالی ہے

پیمبرؐ - مجلس عزاء

(402)

اعتقادی رہائی

فردوس ہے روحِ مصطفیٰ آتی ہے  
پھولوں میں بسی بے صبا آتی ہے  
گھبراہیں نہ گرمی سے عزا دارِ حسین  
یاں گلشنِ جنت سے ہوا آتی ہے

ہرم عزۃ۔ مجلس عزۃ

(403)

اعتقادی رہائی

محفل محبوب حق کے پیاروں کی ہے  
 مجلس آقا کے سگواروں کی ہے  
 چودہ معصوم کا ہے سایہ اس جا  
 شیعوں کے سروں پہ چھاؤں تاروں کی ہے

ہرم عزۃ۔ مجلس عزۃ

(404)

اعتقادی رہائی

تکلیف کسی کی شے کو منظور نہیں  
 جنت کی ہوا آئے تو کچھ دور نہیں  
 گر کر بھٹتا نہیں زمیں پر دانہ  
 گرئی ہے مگر گرمی عاشور نہیں

ہزم عزرا۔ مجلس عزرا

(405)

اعتقادی رہائی

لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ  
 سب جس میں بھرے ہیں گل وہ مجمع ہے یہ  
 دیکھے کوئی صورتوں کو، چشم بد دور  
 مائی بھی ہے دنگ وہ مرقع ہے یہ

ہزم عزرا۔ مجلس عزرا

(406)

اعتقادی رہائی

مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے  
 عصیاں سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے  
 خوشبو یہ عرق میں ہے عزاداروں کے  
 پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

اعتقادی رہائی (407) بزم عزاء۔ مجلس عزاء

کیا بزم ہے کیا آہ و بکا ہر سو ہے  
ایک ایک عزادار شبہ خوش خو ہے  
یا رب یہ رہے باغ خزاں سے محفوظ  
جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں یو ہے

اعتقادی رہائی (408) بزم عزاء۔ مجلس عزاء

عشرے سے دلوں پر رنج و غم چھائے ہیں  
کی ہیں جو ریاضتیں تو پھل پائے ہیں  
اللہ جزائے خیر دے مردم کو  
تکلیف اٹھا کے دور سے آئے ہیں

اعتقادی رہائی (409) بزمِ عزا۔ مجلسِ عزا

عابد سب ہیں خدا رسیدہ سب ہیں  
 پینا صفتِ مردم دیدہ سب ہیں  
 گلزار ہے لکھنؤ انہیں پھولوں سے  
 چیدہ مجلس ہے برگزیدہ سب ہیں

اعتقادی رہائی (410) بزمِ عزا۔ مجلسِ عزا

رونے میں یہ موسم جو بسر ہوتا ہے  
 ہر اشکِ عزادار غم ہوتا ہے  
 چہلم کی بھی مجلسیں ہیں آخر رولو!  
 اب ماہِ صفر کا بھی سفر ہوتا ہے



اعتقادی ربائی (411) یوم عزا۔ مجلس عزا

رعپ شہِ ذی جاہ سے تھراتے ہیں  
سب طرزِ غلامانہ بجا لاتے ہیں  
آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانے میں  
آتے ہیں تو جھک جھک کے علم آتے ہیں

اعتقادی ربائی (412) عشرہ محرم

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس  
جی بھر کے کیا نہ شہِ کا ماتم، افسوس  
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے  
کیوں صاحبو! ہو چکا محرم؟ افسوس!

اعتقادی رہائی (413) یزید عزہ ۱۔ مجلس عزہ

کس کام آئے گی تیز ہوشی تیری  
ہے سرد ولا میں گرم جوشی تیری  
مجلس میں کیے جواشک حضرت سے عزیز  
ہے عین خطا یہ چشم پوشی تیری

اعتقادی رہائی (414) دور عزہ

ہر وقت غم شاہِ زمن تازہ ہے  
ہر فصل میں داغوں کا چمن تازہ ہے  
شیعوں کے دلوں کے ساتھ ہے دور عزہ  
جب دیکھیے یہ زخم کہن تازہ ہے

دُعا

(415)

اعتقادی رہائی

کیا دُخل، خن کوئی فلک پر پہنچے  
 نہ آوِ غریب و نہ تو نگر پہنچے  
 جب صَلِّ عَلٰی نَبِیِّ وَالہ کہیے  
 تو عرش تلک دُعا کا لشکر پہنچے

گر یہ۔ اٹک بڑا

(416)

اعتقادی رہائی

ہیڑ کے غم میں دل کو بے تابی ہے  
 شادی کی اس اندوہ میں نایابی ہے  
 دونوں آنکھیں ہماری دو دریا ہیں  
 ہر مردمِ چشمِ مردمِ آبی ہے

اعتقادی ربائی (417) گر یہ - اشکِ مزا

شہیر کا حشر تک ہے ماتم باقی  
اور زیت کا عرصہ ہے بہت کم باقی  
جی بھر کے حسین ابنِ علی کو رو لو  
اب نصف ہے عشرہ محرم باقی

اعتقادی ربائی (418) گر یہ - اشکِ مزا

طفلی بہ نشاط و شادمانی کٹ جائے  
یا عیش میں موسمِ جوانی کٹ جائے  
سب کچھ یہ عبث ہے اے محبانِ حسین  
روتے روتے ہی زندگانی کٹ جائے

اعتقادی رہائی (419) گر یہ۔ اشکِ عزا

نیساں کو خجل، دیدہ تر سے پایا  
دامن کو بھرا ہوا گھر سے پایا  
یہ لطف اٹھایا نہ کسی شادی میں  
جو حظِ غمِ شاہِ بحر و بر سے پایا

اعتقادی رہائی (420) گر یہ۔ اشکِ عزا

نا گھر میں کفن نہ بوریا رکھتے ہیں  
دامن میں گلِ اشکِ عزا رکھتے ہیں  
انجام پہ ہے نظرِ سوم ہو کہ نہ ہو  
یہ پھول ابھی سے ہم اٹھا رکھتے ہیں

اعتقادی رہائی • (421) مگر یہ۔ اشکِ عزرا

رونے سے فراغ اب کسی روز نہیں  
بے غم کوئی دم جانِ غم اندوز نہیں  
جز درد نہیں کوئی ہمارا ہمدرد  
جز داغ کوئی اپنا جگر سوز نہیں

اعتقادی رہائی • (422) مگر یہ۔ اشکِ عزرا

ہم لوگ اگر قدرِ غم شاقہ کریں  
سرِ پینے سے ہاتھ نہ کوتاہ کریں  
برِ دانہ اشک ہے ثوابِ تسبیح  
قبیل کا اجر ہے اگر آہ کریں

اعتقادی رہائی (423) گر یہ - اشکِ بڑا

رو مال ہے اشکوں سے بھگونے کے لیے  
یہ راتیں، یہ دن نہیں ہیں سونے کے لیے  
ہنسنے کے لیے تو سال بھر ہے یارو!  
دس روز محرم کے ہیں رونے کے لیے

اعتقادی رہائی (424) گر یہ - اشکِ بڑا

عمر اپنی غمِ شے میں بسر کر لے تو  
آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو  
رکھ ہاتھوں کو اپنے، شغلِ ماتم میں سدا  
پھر قصدِ جہاں انیس مر کر لے تو

اعتقادی رہائی (425) گریہ۔ الحکب عزا

داغ غم شہِ دل میں اگر پیدا ہو  
مر کر بھی محبت کا اثر پیدا ہو  
گر بعدِ فنا خاک کو چھانیں میری  
پیدا ہو اگر، تو چشمِ تر پیدا ہو

اعتقادی رہائی (426) گریہ۔ الحکب عزا

یاں دھوپ بھی آکے زرد ہو جاتی ہے  
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے  
پنکھے آہوں کے، آنسوؤں کا چھڑکاؤ  
یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے



اعتقادی رباعی (427) گر پہ - الحکبِ عزا

رونے کا رسولِ حق صلا دیتے ہیں  
شیعوں کو ملائکہ دُعا دیتے ہیں  
کہتا ہے یہ چشم سے ٹپک کے آنسو  
ہم وہ ہیں کہ دوزخ کو بچھا دیتے ہیں

اعتقادی رباعی (428) گر پہ - الحکبِ عزا

کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے  
پتھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے  
اس دم جو شریکِ درد ہووے میرا  
خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے

گریہ۔ انکب عز۱

(429)

اعتقادی رہائی

پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لیے  
 رونا ہی جلا ہے چشم پُر غم کے لیے  
 ہم کو دو نعمتیں خدا نے دی ہیں  
 آنکھیں رونے کو، ہاتھ ماتم کے لیے

گریہ۔ انکب عز۱

(430)

اعتقادی رہائی

تذیر کرو اشکوں سے منہ دھونے کی  
 اُمید نہیں اگلے برس ہونے کی  
 اے مومنو! افسوس کہ خاموش ہو تم  
 ہر سمت سے آتی ہے صدا رونے کی

اعتقادی رہائی (431) گریہ۔ اشکِ عزا

ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہو جائے  
مقبول مری مرثیہ خوانی ہو جائے  
فضلِ باری سے ہوں وہ آنسو جاری  
ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہو جائے

اعتقادی رہائی (432) گریہ۔ اشکِ عزا

سینوں میں جگر پہ تیر غم چلتے ہیں  
رُخساروں پہ اشکِ جمع ساں ڈھلتے ہیں  
کیوں تعزیہ خانوں میں نہ رونق ہو زیاد  
دل بھی تو چراغوں کی طرح چلتے ہیں

اعتقادی رہائی (433) گریہ۔ الحکبِ عزرا

اے شاہ کے غم میں جان کھونے والو  
اے ابنِ علی کے صدقے ہونے والو  
اس اجرِ عظیم کو نہ دو ہاتھوں سے  
اب دو ہی ٹہنیں اور ہیں، رونے والو!

اعتقادی رہائی (434) گریہ۔ الحکبِ عزرا

گو حشر میں مہر کی تمازت ہوگی  
پر شہ کے عزاداروں کو راحت ہوگی  
دل کھول کے اس تنگ مکاں میں رو لو  
قبروں میں تو اتنی بھی نہ وسعت ہوگی

اعتقادی رہائی (435) گر یہ - اشکِ مزا

ہے اُس کی دوا جو مرضِ آدم ہے  
جو زخم ہے اُس کے واسطے مرہم ہے  
جز اس کے نہیں کوئی گناہوں کا علاج  
رو نامِ حسین لے کے جب تک دم ہے

اعتقادی رہائی (436) گر یہ - اشکِ مزا

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار  
شادی کی خوشی میں، غم کی ہے غم میں بہار  
چھایا ہے دلوں پر ابرِ اندوہ و ملال  
رونے کی ہے عشرہٴ محرم میں بہار

امتقادی رہائی (437) گر یہ - اشکِ عزا

دس دن جو یہ رونے میں بسر ہو جائیں  
خوشنود شہِ تشنہ جگر ہو جائیں  
موتی سے فزوں تر ہوں بہا میں یہ اشک  
حضرت کو جو منظورِ نظر ہو جائیں

امتقادی رہائی (438) گر یہ - اشکِ عزا

تعمیر نہ کر خراب ہونے کے لیے  
عافل کیا قبر کم ہے سونے کے لیے  
ہے عین خطا یہ چشم پوشی کے لیے  
آنکھیں تجھے حق نے دی ہیں رونے کے لیے

اعتقادی رباعی (439) گریہ۔ اشکِ عزا

ہر دم غم سببِ شہِ لولاک کیا  
جب نام لیا چشم کو نمناک کیا  
تر ہو گیا رومال، تو پھاڑا دامن  
پایا نہ گریباں، تو جگر چاک کیا

اعتقادی رباعی (440) گریہ۔ اشکِ عزا

جس جا ذکرِ حسین ہو جاتا ہے  
رونے سے دلوں کو چین ہو جاتا ہے  
آکر بزمِ عزائے شہِ میں رونا  
ہر چشم کو فرضِ عین ہو جاتا ہے

اعتقادی رہائی (441) مگر یہ۔ اٹکبِ عزرا

جز مدحِ سخنِ منہ سے کوئی کم نکلے  
 ہر دم سینے سے آہ پُر نغم نکلے  
 روحی بقداک یا حسینِ ابنِ علی  
 نکلے تو محبت میں تری دم نکلے

اعتقادی رہائی (442) مگر یہ۔ اٹکبِ عزرا

جب واردِ حشر رونے والے ہوں گے  
 شہادۂ شہدا کے سب حوالے ہوں گے  
 جنت جاگیر میں ملے گی سب کو  
 نامے اعمال کے قبالے ہوں گے



اعتقادی رہائی (443) گر یہ - اشکِ عزا

کیوں آہ نہ شیعوں کے جگر سے نکلے  
کس طرح نہ اشکِ چشمِ تر سے نکلے  
کیوں دل نہ اُداس ہوں عزا داروں کے  
شہیرِ اُنہیں دنوں میں گھر سے نکلے

اعتقادی رہائی (444) گر یہ - اشکِ عزا

آنکھ اب بہاری سے لڑی رہتی ہے  
اشکوں کی ردا منھ پہ پڑی رہتی ہے  
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں  
یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

اعتقادی رہائی (445) گریہ۔ اشکِ عزا

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے  
اندازِ فغاں مجھ سے فغانی سیکھے  
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصلِ ابر  
دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

اعتقادی رہائی (446) گریہ۔ اشکِ عزا

آئینہ خاطر کی جلا ہے رونا  
اور دیدہٴ مردم کی ضیا ہے رونا  
پوچھا جو علاجِ دل، مسیحا نے کہا  
ہر درد کی دنیا میں دوا ہے رونا

اعتقادی رہائی (447) گریہ۔ اٹھک بڑا

آیا ہے محرم آہ و زاری کرلو  
شیر کے غم میں بے قراری کرلو  
از بسکہ کیے ہیں سیکڑوں تم نے گناہ  
لو مفت ہی رو کے رستگاری کرلو

اعتقادی رہائی (448) گریہ۔ اٹھک بڑا

ہر شب غمِ شہ میں جان کھویا کیجے  
ہر روز منہ آنسوؤں سے دھویا کیجے  
بیدار اگر ہوں بختِ خوابیدہ انیس  
حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجے

اعتقادی رہائی (449) گریہ۔ اٹکبِ عزرا

عشرے کے جو دن یاد ہمیں آتے ہیں  
 جی بھر کے نہ روئے یہی پچھتاتے ہیں  
 رونا آئے تو خوب رو لو یارو!  
 چہلم کے بھی ایام چلے جاتے ہیں

اعتقادی رہائی (450) گریہ۔ اٹکبِ عزرا

مظلوم پہ بزمِ مومنیں روتی ہے  
 ہے کون سی آنکھ جو نہیں روتی ہے  
 مرتا ہے جو کوئی رونے والا شے کا  
 اُس پر چالیس دن زمیں روتی ہے

اعتقادی رباعی (451) گر یہ - الشکبزا

اس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے  
 تھا کہ یہ بزم گلشنِ جنت ہے  
 رونے کو ہیں جمع عاشقانِ شہیر  
 کیا لوگ ہیں کیا وقت ہے، کیا صحبت ہے

اعتقادی رباعی (452) گر یہ - الشکبزا

آنسو رُخِ مومن کے لیے عازہ ہے  
 شیعہ کی لحدِ خلد کا دروازہ ہے  
 داغِ غمِ شاہ سے ہے تربتِ روشن  
 یہ پھول خزاں میں بھی تروتازہ ہے

اعتقادِ ربائی (453) گر پہ - اشکِ مزا

زر کے لیے حق نے کیا پیدا کی  
جو درد دیا اُس کی دوا پیدا کی  
عصیاں کے مرض کا جو نہ تھا کوئی علاج  
اُس کے لیے یہ خاکِ شفا پیدا کی

اعتقادِ ربائی (454) گر پہ - اشکِ مزا

اشکوں میں نہاؤ تو جگر ٹھنڈے ہوں  
بھیکے جو مڑہ دیدہ تر ٹھنڈے ہوں  
یوں سینہ و قلب سرد ہو جائیں گے  
خس خانے میں جیسے بام و در ٹھنڈے ہوں

اعتقادی رباعی (455) گر یہ اشکِ عزا

داغِ غمِ شہدِ سینے میں گل بوٹے ہیں  
کیا کیا گہرِ بیش بہا لوٹے ہیں  
مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیس  
اشک اُن کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

اعتقادی رباعی (456) گر یہ اشکِ عزا

ہر اشکِ عزا دار، دُرِ یکتا ہے  
قیمتِ فردوس و کوثر و طوبیٰ ہے  
اللہ ہے مشتری، فروشنده رسول  
کیا جنس ہے، کیا بہا ہے، کیا سودا ہے

اعتقادی ربائی (457) گریہ۔ اشکِ عزا

مجلس میں عجب بہارِ چشم تر ہے  
ہر لختِ جگر رشکِ گلِ احمر ہے  
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی  
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

اعتقادی ربائی (458) گریہ۔ اشکِ عزا

جو شاد کے غم کو دل میں جا دیوے گا  
اللہ اُسے اس کا صلا دیوے گا  
اشکِ غم شیرِ کا، دیکھو تو اثر  
اک قطرہ، جہنم کو بجھا دیوے گا



اعتقادی رہائی (459) گریہ۔ اشکِ مزا

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں یہ اشک  
اللہ ہے مشتری وہ گوہر ہیں یہ اشک  
آنکھوں سے لگا کے ان کو کہتے ہیں ملک  
گوہر نہیں نور چشم کوثر ہیں یہ اشک

اعتقادی رہائی (460) گریہ۔ اشکِ مزا

مصرف جو رونے کی طرف آنکھیں ہیں  
مردم کے لیے عز و شرف آنکھیں ہیں  
جوشِ غمِ شہیر سے دل ہے دریا  
آنسو گوہر ہیں اور صدف آنکھیں ہیں

اعتقاد دی رہائی (461) گر یہ - اشکِ بزمِ

جو چشمِ غمِ شدّ میں سدا روتی ہے  
ہر لمحہ فزوں اس میں ضیا ہوتی ہے  
اشکِ غمِ شہیر کا رُتبہ دیکھو  
یاں اشک کا قطرہ ہے وہاں موتی ہے

اعتقاد دی رہائی (462) گر یہ - اشکِ بزمِ

کیا دستِ مرہ کو ہاتھ آئی تسبیح  
سبحان اللہ کیا بنائی تسبیح  
آنسو نہیں رکتے ہیں غمِ شدّ میں انیس  
آنکھوں سے لگی ہے کربلائی تسبیح

اعتقادی رباعی (463) گریہ۔ انجمنِ عزا

دل ماتمِ شبیرؔ میں صد پارہ ہے  
نہ ضبطِ فغاں، نہ صبر کا یارہ ہے  
ہر مرتبہ جوشِ زن ہے دریا غم کا  
ہر موئے مرثہ چشم کا فوارہ ہے

اعتقادی رباعی (464) گریہ۔ انجمنِ عزا

رونے کی جو غم میں شہ کے خو ہووے گی  
واللہ کہ عاقبت نکو ہووے گی  
اشکوں کا جو آب، روپہ ہووے گا رواں  
محشر میں اسی سے آبرو ہووے گی

گر یہ - اٹک ۱۷

(465)

اعتقادی رہائی

رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں  
خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں  
ہے عین یقین کہ آنسوؤں کا عقدہ  
کھل جائے گا سب، جو بند ہوں گی آنکھیں

گر یہ - اٹک ۱۷

(466)

اعتقادی رہائی

اس آگ سے دل سینے میں جل جاتا ہے  
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی مل جاتا ہے  
شیعوں کے تو قلب ہیں کہیں موم سے نرم  
پتھر کا جگر ہو تو پکھل جاتا ہے

اعتقادی رہائی (467) مگر یہ - اٹک عزا

سوزِ غمِ سرور سے جگر جتا ہے  
دن بھر جتا ہے رات بھر جتا ہے  
سینہ مرا شے کا تعزیه خانہ ہے  
دل جتا ہے یوں جیسے اگر جتا ہے

اعتقادی رہائی (468) مگر یہ - داغِ سینہ

روشن جو ہر ایک داغ ہو جاتا ہے  
سینہ جنت کا باغ ہو جاتا ہے  
دل اہل عزا کا غم سے جلتے جلتے  
چہلم میں چہل چراغ ہو جاتا ہے

اعتقادی رہائی (469) گر یہ - اشکباز

ہاں جوشِ غم سرورِ عالی ہو جائے  
چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے  
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں پیہم  
ہر موئے مرہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

اعتقادی رہائی (470) گر یہ - اشکباز

ہیبر کا غم یہ جس کے دل پر ہوگا  
آنسو جو گرے گا شکلِ گوہر ہوگا  
پوچھے گا خدا جب ایسے دُر کی قیمت  
تب حشر میں جوہری ہیبر ہوگا

گر یہ - اشکِ مزا

(471)

اعتقادی رہائی

جو قطرۂ اشک ہے دل آرام ہے یہ  
فیضِ غمِ حقیرِ خوش انجام ہے یہ  
آنکھوں کی ضیاء، تقویتِ قلب و دماغ  
آنسو نہ سمجھ روغنِ بادام ہے یہ

گر یہ - اشکِ مزا

(472)

اعتقادی رہائی

مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے  
فردوسِ صلہ رونے رُلانے کا ہے  
خورشیدِ نقابِ رُخ اٹھائے کیونکر  
ہاں وقت یہ فاطمہ کے آنے کا ہے

گر یہ - اشکب ۱۲

(473)

اعتقادی رہائی

بے کار نہیں ہے آہ و زاری ایسی  
 ہے عینِ قرار بے قراری ایسی  
 اشکوں میں جو آب ہے تمہارے یارو  
 گوہر میں کہاں ہے آبداری ایسی؟

گر یہ - اشکب ۱۲

(474)

اعتقادی رہائی

فرصت کہاں ساعت نہ زمانے سے ملی  
 بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی  
 ہٹا کہ پلک نواز ہے ذات تری  
 جنت انہیں اشکوں کے بہانے سے ملی



اعتقادی رہائی (475) گریہ۔ اشکِ عزا

جب دل غمِ شہ سے داغ ہو جاتا ہے  
ہر گوشہِ قبر باغ ہو جاتا ہے  
مردم کہتے ہیں جس کو یاں دانہ اشک  
واں گوہرِ شب چراغ ہو جاتا ہے

اعتقادی رہائی (476) گریہ۔ اشکِ عزا

سوزِ غمِ شہ سے داغ داغ آنکھیں ہیں  
گلِ لختِ جگر ہے باغ باغ آنکھیں ہیں  
چشمِ بد دور، بزمِ ماتم ہے نور  
آنسو روغن ہے اور چراغ آنکھیں ہیں

گریہ۔ اشکِ عزا

(477)

اعتقادی رہائی

ہیں سوگ میں شبیر کے ہر دم آنکھیں  
رہتی ہیں تمام سال پر غم آنکھیں  
بچا نہیں یہ دستِ مرہ کی جنبش  
کرتی ہیں غمِ شاہ میں ماتم آنکھیں

گریہ۔ اشکِ عزا

(478)

اعتقادی رہائی

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے  
سینے کو سرورِ شہ کے ماتم میں ہے  
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر دُرِ اشک  
رونے کا مزا ماہِ محرم میں ہے

اعتقادی رہائی (479) گریہ۔ اشک بڑا

میںخانہ کوثر کا شرابی ہوں میں  
کیا قبر کا خوف بوترا بی ہوں میں  
کہتی ہے یہ چشم خشک رکھو نہ مجھے  
اے اہل نظر مرؤم آبی ہوں میں

اعتقادی رہائی (480) گریہ۔ اشک بڑا

جس پر نظر اک لطف کی شہیر کریں  
ادنیٰ، اعلیٰ سب اُس کی توقیر کریں  
جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس  
جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں

اعتقاد دی رہائی (481) گر یہ۔ اٹھک عزا

گر سبِ نبی کی مہربانی ہو جائے  
مردوں کی لحد میں زندگانی ہو جائے  
ڈرتے نہیں دوزخ سے محبانِ حسین  
سایہ ڈالیں تو آگ پانی ہو جائے

رہائی رہائی (482) تخلیق کائنات کی وہ بے پناہ

جو لوح و قلم ہوئے قرآنِ السعدین  
فرمانے لگے یہ اُن سے ربِّ کونین  
تم جس کے لیے ہوئے ہو دونوں پیدا  
ہیں احمدؑ و حیدرؑ و بتولؑ و حسنینؑ

درد پہ پہنچن

(483)

رہائی رہائی

یکبار درد جو نبیؐ پر بھیجے  
 حسنینؑ و بتولؑ اور علیؑ پر بھیجے  
 ادنا ہو بشر پہ پاوے رتبہِ اعلا  
 دس بار درد حق اُسی پر بھیجے

غمِ شہدآ

(484)

رہائی رہائی

زہرا سے کوئی غمِ پیمرؑ پوچھے  
 زینبؑ سے کوئی فراقِ حیدرؑ پوچھے  
 پوچھے کوئی سجادؑ سے شبیرؑ کا غم  
 بانوؑ کے جگر سے داغِ اکبرؑ پوچھے

مصائبِ پنجتن

485

رباعیِ رباعی

کیا پانچ ہوئے خدا کے مظہر پیدا  
 تاحشر نہ ہوں گے جن کے ہم سر پیدا  
 حیرت ہے مجھے کہ حیف ایسوں کے لیے  
 اندوہ و الم تھے، زہر و زنجیر پیدا

شہادتِ حضرت فاطمہ

486

رباعیِ رباعی

کرسی کس کی ہے، عرشِ اعلیٰ کس کا!  
 کس کی یہ شرافت ہے، یہ رُتبہ کس کا!  
 صدیقہ، جنابِ سیدہ، بنتِ رسول  
 زہرہ کہے زہر آ کو، یہ زہرا کس کا!

گر یہ۔ امام حسن

(487)

رہائی رہائی

دل غم سے محبوں کے بھرے رہتے ہیں  
 ہاتھ اپنے کیلجے پہ دھرے رہتے ہیں  
 بردم حسن سبز قبا کے غم میں  
 زخمِ دل صد چاک ہوئے رہتے ہیں

شہادتِ حضرت علی

(488)

رہائی رہائی

کعبے میں جسے حق نے اُتارا ہوگا  
 مرحب سے جواں کو جس نے مارا ہوگا  
 تلواریں سے اک شقی کی، سبحان اللہ!  
 جدے میں اُسی کا سر دوپارا ہوگا!

شہادت حضرت علی

(489)

رہائی رہائی

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدر  
 ذاکر بھی ہیں مصروفِ بیانِ حیدر  
 ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا  
 رونے کو ہیں جمعِ شیعہ انِ حیدر

شہادت حضرت علی

(490)

رہائی رہائی

مسجد میں چراغِ دین خاموش ہوا  
 ہر سمت فغان و آہ کا جوش ہوا  
 پہنا ملبوسِ نیلگوں گردوں نے  
 کعبہ اسی ماتم میں سیہ پوش ہوا



رہائی رہائی (491) شہادت حضرت علی

ہے آج وہ دن کہ انبیاء روتے ہیں  
گردوں پہ ملک اشکوں سے منھ دھوتے ہیں  
دنیا سے محمدؐ کا وصی اٹھتا ہے  
بن باپ کے سبطین نبی ہوتے ہیں

رہائی رہائی (492) شہادت حضرت علی

دامادِ رسولؐ کی شہادت ہے آج  
معصوموں پہ فاطمہؑ کے آفت ہے آج  
جنت میں تڑپتے ہیں رسولؐ الثقلین  
خاتونِ قیامت پہ قیامت ہے آج

شہادت حضرت علی

493

رہائی رہائی

گھر سے جو پے نماز باہر نکلے  
 مرنے پہ کمر باندھ کے حیدز نکلے  
 واللہ کہ حق خانہ زادی یہ ہے  
 نکلے جو خدا کے گھر سے، مر کر نکلے

دریا پر خمیہ نصب نہ ہوئے

494

رہائی رہائی

خمیہ لب نہر شہ کو کرنے نہ دیا  
 پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا  
 پہلی یہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے  
 دریا پہ مسافر کو اُترنے نہ دیا

سفینہ محمد ڈوبا

(495)

رنگائی رہائی

خوں میں شےِ مظلوم کا سینہ ڈوبا  
 بطحا ہوا برباد مدینہ ڈوبا  
 کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک اڑاؤ، یارو!  
 خشکی میں محمدؐ کا سفینہ ڈوبا

عشرہ محرم

(496)

رنگائی رہائی

دس دن یہ وہ ہیں کہ نوحہ گر ہے زہرا  
 تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے زہرا  
 کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک اڑاؤ لوگو!  
 کل شام سے کھولے ہوئے سر ہے زہرا

برہادی باغ زہرا

(497)

رہائی رہائی

دشمن جو یزید ستم ایجاد ہوا  
محبوب خدا کا باغ برباد ہوا  
لکھا ہے کہ کربلا میں گھر زہرا کا  
ایسا اجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا

ورد و باغ کربلا میں

(498)

رہائی رہائی

مولاً مرے مقتل کے قریں آپہنچے  
جنگل کی طرف عرش مکیں آپہنچے  
اے مومنو، مشغول بکا ہو شب و روز  
ایام عزائے شہ دیں آپہنچے

رہائی رہائی

(499)

ایامِ عزا

اے اہلِ عزا، عزا کے دن آپہنچے  
 غم کی راتیں، بُکا کے دن آپہنچے  
 فریاد کہ فاطمہ کی بستی اُجڑی  
 آبادی کر بلا کے دن آپہنچے

رہائی رہائی

(500)

تاری آمدِ محرم

اے یارو! محرم کا مہینہ آیا  
 سر چٹو، غمِ شاہِ مدینہ آیا  
 کیا بیٹھے ہو، سر پہ خاک ڈالو، یارو!  
 احمد کا تباہی میں سفینہ آیا

آمد محرم

(501)

رہائی رہائی

کیا جوش و خروش سے محرم آیا  
جو خانہ بخانہ دینے یہ غم آیا  
تم قدر کرو کچھ اس کی اہل ماتم  
فرزندِ رسولؐ کا ہے ماتم آیا

سفرِ کربلا

(502)

رہائی رہائی

گھر چھوڑ کے ملعونوں کے شر سے نکلے  
اور روضہٴ سید البشرؑ سے نکلے  
کعبے میں بھی ملعونوں نے رہنے نہ دیا  
روتے ہوئے اللہ کے گھر سے نکلے

آدماء محرم

(503)

رہائی رہائی

آتا ہے جو خلق میں محرم تازہ  
ہوتا ہے حسینؑ کا یہ کیوں غم تازہ  
مارا ہے گیا شفیع محشر کا خلف؟  
تا روزِ جزا رہے گا ماتم تازہ

شمیر امام حسینؑ

(504)

رہائی رہائی

تلواروں سے جسمِ شہید دیں چور ہوا  
تیروں سے بدنِ خانہ زہور ہوا  
ہر چند کہ تھی کمر میں شمشیرِ دو دم  
امت کا مگر قتل نہ منظور ہوا

رہائی رہائی (505) شہادتِ امام حسین

جب ذبح حسین ذوی الاکرام ہوا  
 ماتم کا، حرم سرا میں کھرام ہوا  
 آتی تھی، یہ شہید کے تن بے سر سے صدا  
 لو بخشیش اُمت کا سر انجام ہوا

رہائی رہائی (506) شہادتِ امام حسین

زہرا جو بصد آہ و فغاں چلتی ہیں  
 منھ ہاتھوں سے حورانِ جاناں چلتی ہیں  
 کیا غم ہے کہ نورِ عینِ زہرا کے لیے  
 سردستِ مرثہ سے چُلّیاں چلتی ہیں



رجز امام حسین

(507)

رہائی رہائی

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں  
 عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں  
 سارے عالم میں روشنی ہے جس کی  
 اے لشکرِ شام، وہ ستارا ہوں میں

عطشِ امام حسین

(508)

رہائی رہائی

کیا پیاس میں تھے محوِ عبادت شہید  
 سینے پہ تو قاتل تھا گلے پر شمشیر  
 نکلا نہ لہو خشک تھا یہ حلقِ حسین  
 جاری تھی مگر خون کے بدلے تکبیر

جنار کا نام حسین

(509)

رباعی رہائی

جب کٹ گیا سجدے میں سر پاک حسین  
سب ٹوٹ پڑے، ٹٹ گئی پوشاک حسین  
فریاد ہے اُمت نے کفن کے بدلے  
پامال کیا پیکرِ صد چاک حسین

مہمیرم

(510)

رباعی رہائی

اے مومنو! فاطمہؑ کا پیارا خنجر  
کل جائے گا بھوکا پیاسا مارا خنجر  
ہو جائیں گے سب تعزیہ خانے سنان  
آج اور ہے مہمان تمہارا خنجر

رہائی رہائی (511) رخصت امام حسین

جب بیسیوں سے وداع ہوتے تھے حسین  
تقریر سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسین  
سب کو تو تسلی دیے جاتے تھے مگر  
زینب کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسین

رہائی رہائی (512) ماتم امام حسین

بت و یکم ماہ محرم ہے آج  
جس آنکھ کو دیکھیے وہ پرِ غم ہے آج  
عاشور سے بے دفن ہے لاشہ جس کا  
اُس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

مصائب امام حجاز

(513)

رنگی رہائی

بے گور و کفن باپ کا لاشا دیکھا  
 پردیس میں مادر کا رنڈا پا دیکھا  
 زنداں میں جفائے خار و طوق و زنجیر  
 عابد نے پدر کے بعد کیا کیا دیکھا

شہادت امام حسین

(514)

رنگی رہائی

میدان میں جو حضرت پہ ستم ہوتے تھے  
 زہرا و علی اشکوں سے منہ دھوتے تھے  
 بھائی کے لیے ہوتے تھے شہر بیتاب  
 سر پیت کے محبوب خدا روتے تھے

شہادتِ امام حسینؑ

(515)

رباعی رہائی

کیا کیا نہ ستم اہلِ جفا کرتے ہیں  
 فتیر مگر شکرِ خدا کرتے ہیں  
 پھرتی ہے گلے پہ تیغ، لب پر نہیں آہ  
 یوں وعدہٴ طفلی کو ادا کرتے ہیں

شہادتِ امام حسینؑ

(516)

رباعی رہائی

فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں  
 بے شبہ یہ اندوہ و الم کے دن ہیں  
 کیونکر نہ کریں لوگ قیامت برپا  
 بے سر ہوئے فتیرِ ستم کے دن ہیں

رہائی رہائی (517) امام حسینؑ کی جہائی

کہتی تھی بتو! اے مرے پیارے فتیر  
کس بیکسی سے جاتے ہو مارے فتیر  
جنت کو سدھارے سب عزیز و رفقا  
اب کوئی نہیں پاس تمہارے فتیر

رہائی رہائی (518) قتلِ امام حسینؑ

کہتے تھے لعین لوٹ میں زر پائیں گے  
اسبابِ شہِ جن و بشر پائیں گے  
یہ گوہرِ مقصود ملے گا اُس دم  
جب فاطمہؑ کے لال کا سر پائیں گے

روحانی رہائی (519) مصائب امام حسین

وہ کون سا صدمہ تھا جو شہ پر نہ ہوا  
پانی بھی دم نزع میسر نہ ہوا  
رویا کیے زینب کی اسیری پہ حسین  
جب تک کہ رواں حلق پہ منجھر نہ ہوا

روحانی رہائی (520) جنازہ امام حسین

عابد کہتے تھے آہ کیا چارہ ہے  
یہ لاش امام وطن آوارہ ہے  
کرتب نریں انہیں تو قرآن ہو جائے  
ہر عضو تن حسین ہی پارہ ہے

روحانی رہائی (521) درود امام حسین

کفار کا لشکر لبِ دریا اُترا  
جو مالکِ کوثر تھا، الگ جا اُترا  
گھوڑے سے جو کربلا میں اُترے شہید  
غل تھا کہ زمیں پہ عرشِ اعلا اُترا

روحانی رہائی (522) امام حسین کا سراقہ

کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے  
کیا عز و شرف امامِ غازی کا ہے  
سجدے کا نشان دیکھ کے سب کہتے تھے  
نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے



رہائی رہائی

(523)

عشقِ امام حسین

شہدہ کہتے تھے خالق کا شناسا ہوں میں  
 کر رحم پیہیز کا نواسا ہوں میں  
 کچھ پانی پلا کے قتل کرنا مجھ کو  
 اسے شمر کئی روز کا پیاسا ہوں میں

رہائی رہائی

(524)

امام حسین کی عظمت

ایک گہر قلمزم سرمد ہے حسین  
 مردِ اُمم مثل محمد ہے حسین  
 جب سر کو قدم کیا تو سر کی رہ عشق  
 تھا کہ شہیدوں میں سر آمد ہے حسین

شہادت امام حسین

(525)

ربانی رہی

شہ کہتے تھے عاشقِ الہی ہوں میں  
ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں  
جی بھر کے مجھے دیکھ لو زینبِ شبِ قتل  
واللہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں

امام حسین

(526)

ربانی رہی

زینب نے کہا بھائی سے میں چھوٹ گئی  
پردیس میں تقدیر مجھے لوٹ گئی  
فرزندوں کے مرنے کا نہ غم تھا مجھ کو  
پر بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹ گئی

امام حسین

(527)

رہائی رہا ہی

زینبؓ نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے  
بے رحم کوئی شمر سا کم ہوتا ہے  
یا شاہِ نجف آؤ مدد کی خاطر  
سر بھائی کا سجدے میں قلم ہوتا ہے

عقش امام حسین

(528)

رہائی رہا ہی

کہتی تھی بتوں آہ، یارب! کیا ہے  
کچھ خود بخود آج دل مرا اُٹا ہے  
پڑتی ہے گلے میں آبِ کوثر کی گرہ  
شاید مرا خمیر کہیں پیاسا ہے

عطشِ اہم صہین

(529)

رہائی رہائی

حیرت میں ہوں کیوں جہاں میں آیا پانی  
 دریا میں ہے کس لیے سہا پانی  
 یہ ابر جو لاکھ بار برسے تو کیا  
 شہر نے مرتے دم نہ پایا پانی

گرمیِ عاشقہ پیش

(530)

رہائی رہائی

جنگل کی چٹش کنارِ دریا گزری  
 صدے ہے، دکھ اٹھائے، ایذا گزری  
 اے اہلِ عزا تمہاری راحت کے لیے  
 گرمی میں مسافروں پہ کیا کیا گزری

عطش حسین

(531)

رہائی رہا ہی

مظلوم، نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا  
 مینہ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا  
 پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسین  
 یوں گہر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

عطش - بے گور و کفن حسین

(532)

رہائی رہا ہی

اک کہنہ روا آئیں عبا کو نہ ملے  
 خربت مظلوم کربلا کو نہ ملے  
 کیا ظلم ہے یہ اے فلکِ نا انصاف!  
 پانی فرزندِ مصطفیٰ کو نہ ملے

عشِ امام حسین

(533)

رہائی رہائی

کیونکر نہ سحابِ جوشِ غم سے برسے  
کیوں برقِ گرے نہ اوجِ گردوں پر سے  
کیوں رعدِ کرے نہ شور و فریاد و فغاں  
پانی کو جو ابنِ میزِ کوثر تر سے

عش

(534)

رہائی رہائی

اعدا نے پیا اور بہایا پانی  
لشکر نے حسین کے نہ پایا پانی  
بازو بھی کٹائے بازوئے سروڑ نے  
اُس پر بھی مگر ہاتھ نہ آیا پانی

رباعی رباعی (535) گرمی عاشورا/عطش

پتھر بھی حرارت سے پگھل جاتے تھے  
پھٹکتے تھے بدن، رنگ بدل جاتے تھے  
اللہ ری ہوائے گرم روزِ عاشور  
جب آتی تھی لو، درخت جل جاتے تھے

رباعی رباعی (536) پامال جنازہ پُسم اسپاں

جب خاتمہ شہِ خوش اقبال کیا  
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا  
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر  
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

بے کفن حسین

(537)

رہائی رہائی

صدقے ترے اے فاطمہؑ کے جاے حسینؑ  
 اُمت نے عجب دُکھ تجھے دکھلائے حسینؑ  
 عریاں رہی لاشِ اک مہینے دس دن  
 مر کر نہ کفن تجھ کو ملا ہائے حسینؑ

بے کور و کفن جسدِ امام حسینؑ

(538)

رہائی رہائی

عریاں سرِ خاتونِ زمیں ہے اب تک  
 ناموس پہ ایذا و محن ہے اب تک  
 چہلم کے ہیں دن خاک اُڑاؤ یارو  
 ختمیز کی لاش بے کفن ہے اب تک



زہا کی رہا ہی (539) بے گور و کفن جسد امام حسین

ماں نہیں طبع پاک اس دنیا پر  
 مردم ہیں عبث ہلاک اس دنیا پر  
 فرزند ابوتراب، محتاج لحد!  
 ٹھف اس دنیا پہ، خاک اس دنیا پر

زہا کی رہا ہی (540) زندانِ شام

جب شام کے زنداں میں حرم بند ہوئے  
 تاریکی سے بی بیوں کے دم بند ہوئے  
 سر پیٹ کے زینبؑ نے کہا وائے نصیب  
 بازو سے رسن کھلی تو ہم بند ہوئے

دفن سید الشہداء

(541)

رہائی رہائی

جب دفن ہوا شیرِ خدا کا جانی  
 سجاؤ نے کی قبر پہ آبِ افشانی  
 شیرِ کی پیاس کا کہوں کیا میں اثر  
 پتی گئی خاک جتنا چھڑکا پانی

دفن سید الشہداء

(542)

رہائی رہائی

مارے گئے جو، وہ سب لعین دفن ہوئے  
 زہرا کے نہ ہائے، نازنین دفن ہوئے  
 عاشورِ محرم کو ہوئے قتل حسین  
 پر قبر میں بعدِ اربعین دفن ہوئے

رباعی رباعی (543) دُفن سید اشہدؑ (اربعین)

برہم ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج  
سب روتے ہیں دنیا میں خوشی گم ہے آج  
چالیسواں تک گزرا نہ لاشہ جس کا  
اُس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

رباعی رباعی (544) چہلم شہدؑ

مرقد بھی شہیدوں کے بنائے نہ گئے  
کچھ لوگ بھی فاتحہ کو آئے نہ گئے  
چالیسویں تک پڑے رہے مقتل میں  
وہ پھول سوم کو بھی اٹھائے نہ گئے

چہلم حسین

(545)

رہائی رہائی

رتی میں گلا علی کی جائی کا ہے  
اب تک نہیں طور کچھ رہائی کا ہے  
گھبرا کے یہی کہتی تھی کہ چھوٹیں گے  
چہلم نزدیک میرے بھائی کا ہے

عباس علیدار

(546)

رہائی رہائی

تہ کہتے تھے عباس سا مہہ رُو نہ رہا  
کیا اشک تھمیں کہ دل پہ قابو نہ رہا  
یک دشت گنی تاب و توانِ شہیر  
اُس ہاتھ سے کیا ہو، جس کا بازو نہ رہا

رباعی رباعی (547) عباس ملمدار

خوں بھائی کا، شہ کے رو برو بہتا تھا  
پیاسے کا لہو، کنار جو بہتا تھا  
تھا بچ میں سقائے حرم کا لاشہ  
دریا تو ادھر، ادھر لہو بہتا تھا

رباعی رباعی (548) بنی ہاشم

عباس سا صف جھکن نہ ہوگا کوئی  
اکبر سا گلبدن نہ ہوگا کوئی  
گردن پہ لگا تیر، مگر لب نہ ہے  
اصغر سا بھی کم خن نہ ہوگا کوئی

عباس حیدر

(549)

رہائی رہائی

اعدا رفقائے شہ سے سربر نہ ہوئے  
لڑتے رہے جب تک کہ بے سر نہ ہوئے  
سرداروں کو آرزو رہی دنیا میں  
ایسے غازی مگر میسر نہ ہوئے

مصائب الشہداء

(550)

رہائی رہائی

عباس کو لطفِ زندگانی نہ ملا  
اکہڑ کو بھی کچھ حظِ جوانی نہ ملا  
اس موسمِ گرما میں غضب ہے، یارو!  
شہیز کو تین روز پانی نہ ملا

عباسی عہد

(551)

رہائی رہائی

ظاہر وہی اُلفت کے اثر ہیں اب تک  
 قربانِ شہرِ جن و بشر ہیں اب تک  
 ہوتے ہیں علم آگے جب اٹھتی ہے ضلع  
 عباسی علی سینہ پر ہیں اب تک

شہادت علی اکبر

(552)

رہائی رہائی

روتے ہیں نہ فریاد و بکا کرتے ہیں  
 کیا صبرِ امامِ دوسرا کرتے ہیں  
 اٹھارہ برس پالا ہے جس کو بر میں  
 اُس بیٹے کو اُمت پہ فدا کرتے ہیں

شہادت علی اکبر

(553)

رہائی رہائی

اکبرؑ نے جو گھر موت کا آباد کیا  
 صفرا کو دم نزع بہت یاد کیا  
 لاشے پہ کمر پکڑ کے کہتے تھے حسینؑ  
 تم نے علی اکبرؑ ہمیں برباد کیا

درخت علی اکبرؑ

(554)

رہائی رہائی

اکبرؑ کہتے تھے ”بابا کیوں روتے ہو؟  
 اس فدوی کے غم میں جان کیوں کھوتے ہو؟“  
 فرماتے تھے ”شہ رونا کی جا ہے اکبرؑ  
 اٹھارہ برس بعد جدا ہوتے ہو“



سراپا علی اکبر

(555)

رہائی رہائی

منہ چاہیے وصفِ رُخِ اکبر کے لیے  
تھا حسن اسی سروِ سخنِ بر کے لیے  
نازکِ بدنی کی مدحِ لکھنی ہے مجھے  
تارِ رگِ گل چاہیے مسطر کے لیے

شہادتِ قائم الدین حسن

(556)

رہائی رہائی

دُشمن کو بھی دے خدا نہ اولاد کا داغ  
جاتا نہیں ہرگز دلِ ناشاد کا داغ  
فرماتے تھے رو کے لاشِ قائم پہ حسین  
اولاد سے کم نہیں ہے داماد کا داغ

رہائی رہائی (557) شہادتِ قاسم ابن مسن

شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا  
آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا  
افسوس کہ میدان میں بنے قاسم نے  
دیکھا جسے، اُس کو ہاتھ ملتے دیکھا

رہائی رہائی (558) لاشِ قاسم ابن مسین

قاسم کو عدو نے خوں میں جب لال کیا  
شہید نے یہ کہہ کے عجب حال کیا  
تاہوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر  
گھوڑوں کی سموں سے اُس کو پامال کیا

روحی رہائی (559) لاشے قاسم ابن حسن

جھک جھک کے تو منہ ابن حسن نے دیکھا  
لیکن نہ سکینہ کی بہن نے دیکھا  
آنسو نکل آئے، مگر آنکھیں نہ کھلیں  
لاش آئی، تو دولہا کو دلہن نے دیکھا

روحی رہائی (560) مصائب سکینہ بنت الحسین

کہتی تھی سکینہ، گھر کا جلنا دیکھا  
ماں بہنوں کا بلوے میں ٹکنا دیکھا  
زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے  
اس چار برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

رباعی رباعی (561) قتلِ پیرانِ مسلم

چلاتے تھے مسلم کے پسر قتل نہ کر  
مظلوم ہیں اور بے پدر، قتل نہ کر  
ہم بے وطنوں پہ رحم کر اے حارث  
اللہ ہمیں بیچ لے، پر قتل نہ کر

رباعی رباعی (562) شہادتِ علیِ اصغر

ماں کہتی تھی راحت نہ ملی آہ ملی  
تصویرِ تری خاک میں اے ماہِ ملی  
لٹاں صدقے ہو تو برس دن نہ حیا  
اصغر تجھے عمر ایسی کوتاہ ملی

دین علی اصغر

(563)

رہائی رہائی

مر جائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے  
بس صبر علاج دل صد پارہ ہے  
اصغر کو لٹا قبر میں بولے یہ حسین  
آرام کرو اب یہی گہوارا ہے

شہادت علی اکبرؑ اور علی اصغرؑ

(564)

رہائی رہائی

بانو کہتی تھی ہائے! اکبرؑ نہ رہے  
غم رہ گیا، ہمشکل پیہر نہ رہے  
ہو کر چھ مہینے کے گئے دنیا سے  
گھر میں مرے سال بھر بھی اصغرؑ نہ رہے

علی اصغر کا دفن

(565)

رہائی رہائی

جو شے تھی تیرے چرخِ بریں ہلتی تھی  
ایک ایک صف لشکرِ کیس ہلتی تھی  
اصغر کو جو رن میں دفن کرتے تھے حسین  
گہوارے کی مانند زمیں ہلتی تھی

مصائبِ امامِ حجاز

(566)

رہائی رہائی

کیا رنجِ جفائے اشقیاء سے کھینچا  
لیکن نہ قدمِ راوِ رضا سے کھینچا  
سردار تھے صابروں کے سجادِ حزیں  
کانٹا بھی نہ جھک کر کفِ پا سے کھینچا

رہائی رہائی (567) زندگی امام سجاد

عابد کی تمام عمر زاری نہ گئی  
پوشاکِ عزا تن سے اُتاری نہ گئی  
خواب و آرام و صبر و تاب و طاقت  
یہ سب گئے اور بے قراری نہ گئی

رہائی رہائی (568) مصائب امام سجاد

عابد کو سدا باپ کا غم رہتا تھا  
دامانِ مژہ اشکوں سے نم رہتا تھا  
تھیں فرطِ بکا سے دونوں آنکھیں مجروح  
رخسارِ مبارک پہ ورم رہتا تھا

رہائی رہی (569) امام سجادؑ کی زندگانی

تھے زیت سے اپنی ہاتھ دھوئے سجاڑ  
شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجاڑ  
جب تک جیے ہنتے نہ کسی نے دیکھا  
چالیس برس باپ کو روئے سجاڑ

رہائی رہی (570) امام سجادؑ کی زندگانی

عابد تھے مدام صبح ہوتے روتے  
جب جاگتے روتے، جبکہ سوتے روتے  
چالیس برس پدر کو روئے یاں تک  
رُخسار بھی گھل گئے تھے روتے روتے



ربانی ربانی (571) امام سجادؑ کے مصائب

سجادِ حزیں شغلِ بکا رکھتے ہیں  
تراشکوں سے زُخار سدا رکھتے ہیں  
بھر آتا ہے دل دیکھ کے جامِ پُر آب  
یاوِ عطش شاوِ ہدا رکھتے ہیں

ربانی ربانی (572) امام سجادؑ کی گریہ داری

دن روئے نہ عابد سے رہا جاتا تھا  
خطبہ سرِ منبر نہ پڑھا جاتا تھا  
پڑھنے میں اگر لیتے تھے وہ نامِ حسینؑ  
روتے تھے یہاں تک کہ غش آ جاتا تھا

رہائی رہائی (573) امام سجادؑ کی گریز داری

عابد کو کبھی خوش نہیں ہوتے دیکھا  
بے گریہ نہ جاگتے، نہ سوتے دیکھا  
شب سے تا صبح، اور سحر سے تا شام  
جب کوئی گیا، آپ کو روتے دیکھا

رہائی رہائی (574) امام سجادؑ کی زندگی

سجادؑ کے چہرے سے تغیری نہ گئی  
تھے گل کے امیر، پر فقیری نہ گئی  
زنجیر قدم ضعف رہا برسوں تک  
آزاد ہوئے پھر بھی اسیری نہ گئی

رہائی رہائی (575) حرامین ریاحی کا مقدر

خُر نے مقدار کا مقدر پایا  
اسلام بھی سلماں کے برابر پایا  
عمار کی طرح پائی عمر جاوید  
زر چھوڑا تو رتبہ ابوذر پایا

رہائی رہائی (576) حرامین ریاحی کی بخشش

جب خُر کا گنہ شادِ اُم نے بخشا  
قطرے کو شرفِ بحرِ کرم نے بخشا  
گردوں سے ندا آئی کہ، اے سبطِ نعلی  
تو نے جسے بخشا، اُسے ہم نے بخشا

رہائی رہائی (577) حرائین ریاحی کی دستکاری

ہیڑ سا خر نے جب کہ رہبر پایا  
پایے سے ہوا عرش کے برتر پایا  
اک سیطر رسول کی رضامندی سے  
حوریں پاکیں، بہشت و کوثر پایا

رہائی رہائی (578) حرائین ریاحی کی خوش نصیبی

خر کہتا تھا، جب قبر میں سونا ہوگا  
پُر نور مری قبر کا کونا ہوگا  
زانوے حسین اور ردائے زہرا  
تکلیہ تو یہ ہوگا، وہ بچھونا ہوگا

رہائی رہائی (579) حرائین ریاحی کی بخشش

خر جب کہ فدائے شہِ ذی جاہ ہوا  
اک غلغلہ جزا گم اللہ ہوا  
جنت میں نہ کس طرح پہنچتا، وہ جبری  
ہیڑ سا رہبر خضر راہ ہوا

## کتابیات

مرآۃ میر انجمن (چہ جلد)	نول کشور، کھنڈو	نول کشور، کھنڈو	1985ء
مجموعہ رہا میات	سید علی حسین	یوسفی پریس، دہلی	1901ء
رہا میات انجمن	سید محمد حسن بکمرای	حیدر آباد دکن	1906ء
مرآۃ انجمن	نکھای پریس، بدایوں	بدایوں	1926ء
انجمن الاخلاق	سید محمد عباس	کھنڈو	1939ء
رہا میات انجمن	مرفیضی	لاہور	1956ء
رہا میات انجمن	علی جواد زیدی	سپر پرنٹرز، دہلی	1984ء
رہا میات دیر	سید تقی عابدی	شاہد جلی کیشنز، دہلی	2008ء
ماہنامہ انجمن نبر	مدیر فضل قدیر	ادارہ مطبوعات، پاکستان	1972ء
آج کل میر انجمن نبر	مہدی عباس مصنی	ڈائریکٹر جلی کیشنز، پٹیالہ ہاؤس	1975ء
سرفراز کھنڈو انجمن نبر	مصطفیٰ حسن رضوی	سرفراز قوی گمر، کھنڈو	1972ء
پیام عمل انجمن نبر	سید کوثر حسین	امامیہ مشن پاکستان، لاہور	1973ء
نگار میر انجمن نبر	فرمان فتح پوری	مشتود پریس، کراچی	1971ء
خیابان انجمن	محمد شمس الدین صدیقی	شاجین برقی پریس، پشاور	1974ء
دہستان انجمن	دہستان انجمن رولپنڈی	نصیم پرنٹنگ پریس، لاہور	1974ء
نقوش میر انجمن نبر	محمد طفیل - اکبر حیدری	ادارہ فردوس اردو، لاہور	1981ء
تجزیہ یادگار انجمن	سید تقی عابدی	پریس آرٹ پرنٹرز، دہلی	2002ء
باقیات انجمن	اکبر حیدری	محمدی پبلشرز، کھنڈو	1979ء
موازیہ انجمن دیر	شکیل نعمانی	انجمن کیشنل بک ہاؤس، دہلی	1988ء